(ی)

(۱۵۴)

دل ہی نہیں کہ منتِ درباں اُٹھائیے
کس کو وفا کا سلسلہ جنباں اُٹھائیے

ہمیں محبوب سے وفاداری ہے۔ چاہتے تھے کہ اس کے در پر جاکر درباں کی خوشامد کرتے تاکہ محبوب کے پاس جاکر اپنی وفا کا اظہار کیا جاسکتا لیکن اب کمال بد دلی ہوگئی ہے۔ جی نہیں چاہتا کہ خواہ مخواہ درباں کا احسان لیں۔ درباں نے جو وکالت کی تھی وہ بے سود ثابت ہوئی اب کسے اپنا سلسلہ جنباں بنائیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ کس کا اشارہ درباں کی بجائے دل کی طرف ہو۔ پہلے دل تھا تو سلسلہ جنبانی کرتا تھا۔ اب دل نہیں رہا تو کون سلسلہ جنبانی کرے

تاچند داغ بیٹھیے، نقصاں اُٹھائیے
اب چار سوئے عشق سے دوکاں اُٹھائیے

داغ نشستن ایک فارسی محاورہ ہے جس کے معنی داغ کا بیٹھنا یا داغ کا قائم ہونا ہے "داغ بیٹھیے" کسی اور معنی میں استعمال ہوا ہے۔ داغ کھا کر بیٹھنے کے مترادف ہے۔ یہ داغ، مایوسی و ناکامی کا داغ ہے۔ چارسو: وہ بازار جس کے چاروں طرف سڑک اور دکانیں ہو۔ ہم کب تک حسرتوں کے داغ کھائیں اور نقصان اُٹھائیں۔ بہتر ہے کہ بازارِ عشق سے دوکان اُٹھائیں یعنی کاروبارِ عشق بند کردیں عشق کرنا چھوڑ دیں۔

ہستی فریب نامۂ موجِ سراب ہے
یک عمر نازِ شوخیِ عنواں اُٹھائیے

فریب نامہ: وہ خط جس کا مضمون ابتدا میں دل فریب ہو لیکن جس کے اندر کوئی کام کی بات نہ ہو دھوکے کی ٹٹی ہو۔ موجِ سراب بھی شروع میں دور سے دل فریب معلوم ہوتی ہے جب اس کے قریب جاتے ہیں تو وہ محض دھوکا نکلتی ہے۔ یہی عالم ہستی کا ہے۔ اس خط کے عنوان کی شوخی ہی میں کھوئے رہیے اندر جاکر حقیقت کی تلاش نہ کیجیے کیونکہ اس میں کچھ ہے ہی نہیں۔ جیسے فریب نامہ کا عنوان شوخ ہوتا ہے اس کے بعد خالی۔ ہم عمر بھر ہستی کے ظاہری پہلو کی شوخی میں کھوئے رہے۔

ضبطِ جنوں سے، ہر سرِ مو ہے ترانہ خیز
یک نالہ بیٹھیے، تو نیستاں اُٹھائیے

نالہ بیٹھیے سے مراد ہے نالے کو دبائیے ضبط کیجئے۔ ہم نے جنوں کی چیخ پکار ضبط کی تو بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور زبانِ حال سے فریاد کرنے لگے۔ گویا ہم نے ایک نالہ دبایا تو بانسوں کا جنگل کھڑا کردیا۔ سرِ مو کھڑے ہونے کی وجہ سے ہی نیستاں سے مشابہ نہیں بلکہ اپنی فریاد کی وجہ سے بھی ہیں۔ نیستاں بانسوں کا مجموعہ ہے جن سے بانسریاں بنتی ہیں اور وہ نالہ کرتی ہیں۔ اس لئے نیستاں شور کا منبع ہوا۔

نذرِ خراشِ نالہ، سرشکِ نمک اثر
لطفِ کرم، بدولتِ مہماں اُٹھائیے

نالے نے گلے میں خراشیں پیدا کیں اس کے لئے نمکین آنسو آئے۔ گلے کی خراش میں نمکین پانی سے غرارے کئے جاتے ہیں۔ نالے کے ساتھ آنسو بھی آتے ہیں۔ جب آنسوؤں کی افراط ہوگی تو کچھ نہ کچھ منہ میں بھی پہنچ جائیں گے۔ منہ میں نمکین چیز کا جانا ایک قسم کی ضیافت ہے مہمان سے مراد غالباً محبوب ہے وہ ہمارے گھر مہمان آیا اس کی بدولت نالہ اور آنسو جاری ہوئے اور اس طرح نمکِ اشک سے اپنی تواضع ہوئی۔ یا پھر یہ ممکن ہے کہ نالے کو مہمان قرار دیا ہو اس کے لئے نمکین آنسو پیش کئے گئے اور اس مہمان کے کرم سے فائدہ اُٹھایا۔ ہوتا یہ ہے کہ مہمان پر میزبان کرم کرتا ہے۔ یہاں مہمان میزبان کی تواضع کا موجب ہے۔

انگور سعیِ بے سروپائی سے سبز ہے
غالبؔ بدوشِ دل خمِ مستاں اُٹھائیے

سعی بے سروپائی: سعی نہ کرنا۔ انگور کے ہاتھ پاؤں نہیں ہوتے وہ کیا کوشش کرسکتا ہے بغیر کسی جد و جہد کے وہ سبز و رہتا ہے۔ ہم بھی اپنے دل کو اس کا مقلد کردیں۔ دل بھی بے سروپا ہے۔ شراب کا خم دل کے اوپر اُٹھائیں یعنی مست پڑے رہیں کچھ نہ کریں اور زندگی خوش گزار دیں۔

(۱۵۵)

کیا پوچھے ہے بر خود غلطی ہائے عزیزاں
خواری کو بھی اک عار ہے عالی نسبوں سے

برخود غلط: اپنے بارے میں غلط طور پر زیادہ اونچی رائے رکھنے والے کو کہتے ہیں۔ رشتے داروں کے غرور و غلط فہمی کا کیا بیان کروں۔ میں غریب اور خوار ہوں وہ عالی نسب اور رئیس ہیں اس لئے مجھ سے ملنے میں احتراز کرتے ہیں۔ میں بھی ان سے ملنے میں عار کروں گا اس طرح خواری کو بھی عالی نسبوں سے ملنے میں تامل ہوگا۔ دوسرے مصرع کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ عالی نسب عزیز کردار کے اتنے گرے ہوئے ہیں کہ خود رذالت ان سے ملنے کو توہین جانتی ہے۔

گو تم کو رضا جوئیِ اغیار ہے، لیکن
جاتی ہے ملاقات کب ایسے سببوں سے

ملاقات جانا: یعنی ملاقات کے وقتِ مقررہ پر نہ آنا۔ تم نے ملاقات کا وعدہ کیا پھر نہ آئے۔ کہتے ہو کہ رقیبوں کی رضا لے لیتا تو آتا۔ ابھی ان کی رضا نہ لے سکا اس لئے ممکن نہ ہوا۔ یہ عذر قابلِ قبول نہیں۔ یہ ایسا سبب نہیں جس کی بنا پر ملاقاتِ مقررہ کو ٹل جانے دیا جائے۔

مت پوچھ اسد وعدۂ کم فرصتیِ زلیست
دو دن بھی جو کاٹے، تو قیامت تعب سے

زلیست نے کہا تھا کہ "اسد میں تیرے پاس رہ لوں گی اس کا وعدہ ہے لیکن مجھے بہت کم فرصت ہے بہت جلد تجھے چھوڑ کر چل دوں گی۔" اس کم فرصتی سے بھرے وعدے کا کیا مذکور کریں۔ زلیست نے ہمارے ساتھ دو دن ہی کاٹے اور وہ بھی بڑے رنج کے ساتھ
تعب: رنج۔ کاٹے کا فاعل "ہم" کی بجائے "زلیست" کو قرار دینا ضروری ہے تاکہ وعدہ کے کچھ معنی نکل سکیں۔ اگر وعدہ کا لفظ نہ ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ "ہم نے کاٹے"۔ بہ صورتِ موجود بیان میں ایک جدت ہے۔

(۱۵۸)

مجھے معلوم ہے، جو تو نے میرے حق میں سوچا ہے
کہیں ہو جائے جلد، اے گردشِ گردونِ دوں، وہ بھی

اشارہ ہے اس طرف کہ تو نے مجھے مارنے کا سوچا ہے۔ اے ذلیل آسمان، یہ بھی کر دکھا٭
؎ نظر راحت پہ میری، کر نہ وعدہ شب کے آنے کا۔ کہ میری خواب بندی کے لئے ہوگا فسوں وہ بھی
اگر تو میری راحت چاہتا ہے تو یہ رات کو آنے کے وعدے میں نہیں بلکہ رات کو آنے کا وعدہ

نہ کرنے میں ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ وعدہ کیا بھی تو تو نہ آئے گا اور میں رات بھر انتظار میں جاگوں گا۔ گویا تیرا مثبت وعدہ بھی اسی طرح میری نیند کو باندھ دے گا جس طرح نہ آنے کا اظہار لیکن صحیح صورتِ حال سے آگاہ ہونے کی وجہ سے دل کو قرار رہے گا۔

(۱۵۹)

کرتے ہو شکوہ کس کا؟ تم اور بے وفائی
سر پیٹتے ہیں اپنا، ہم اور نیک نامی

تم مجھ سے شکوہ کرتے ہو "میں نے تم سے کون سی بے وفائی کی تھی کہ تم دنیا بھر میں مجھے بدنام کرتے ہو اور خود نیک نام بن رہے ہو۔" یہ شکوہ کیوں کرتے ہو تمہارے لئے بے وفائی کیونکر ممکن ہے۔ ہم اپنا سر پیٹتے ہیں۔ تم ہم پر نیک نامی کا الزام کیوں رکھ رہے ہو۔ کہاں ہم اور کہاں نیک نامی۔ دونوں باتیں طنزاً کہی ہیں۔

صد رنگ گل کترنا، در پردہ قتل کرنا
تیغِ ادا نہیں ہے پابندِ بے نیامی

گل کترنا: نقش و نگار بنانا۔ بے نیامی: تلوار کا نیام سے نکلنا۔ آپ کی تیغِ ادا کو نیام سے نکلنے کی ضرورت نہیں یہ بظاہر طرح طرح سے خوشنما پھول بوٹے بناتی ہے لیکن پردے ہی پردے میں قتل کر دیتی ہے۔

طرفِ سخن نہیں ہے مجھ سے خدانہ کردہ
ہے نامہ بر کو اس سے دعوئے ہم کلامی

طرف: آنکھ گھمانا، ترچھی نظر سے دیکھنا۔ نامہ بر مجھ سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر رہا۔ اسے دعویٰ ہے کہ وہ محبوب سے باتیں کر کے آیا ہے خدا نہ کرے کہ یہ واقعی ہوا ہو۔ اندیشہ یہ ہے کہ یہ خود اسے دل دے بیٹھا ہے اس لئے مجھ سے بات کرنے میں کتراتا ہے۔

طاقت فسانۂ باد، اندیشہ شعلہ ایجاد
اے غم، ہنوز آتش! اے دل، ہنوز خامی

خامی: کچا پن یہاں کمزوری کے معنی میں آیا ہے۔ لف و نشرِ غیر مرتب ہے۔ طاقت کا تعلق دل کی خامی سے ہے۔ شعلے کا تعلق آتشِ غم سے۔ مجھ میں طاقت! اللہ کا نام لو۔ میری طاقت ہوا کا افسانہ ہے یعنی کچھ بھی نہیں۔ میرا اندیشہ شعلے پیدا کرتا رہتا ہے یعنی میرے ذہن و

دماغ میں آگ بھری ہوئی ہے حالانکہ میرا غم ابھی سکون کی منزل پر نہیں پہنچا ابھی آگ کی طرح جل رہا ہے اور میرا دل بھی کمزور ہے۔

ہر چند عمر گزری آزردگی میں، لیکن
ہے شرحِ شوق کو بھی ابھی شکوہ ناتمامی

میں تمام عمر محبوب سے آزردہ رہا۔ آزردگی اسی وقت ہونی چاہیئے جب کہ پہلے محبوب کے سامنے اپنے شوق کا بیان کیا جائے۔ وہ توجہ نہ کرے تو آزردہ ہو کر شکوہ کیا جائے عاشق شوق کا بیان بھی پھیلا کر کرتا ہے اور شکوہ بھی۔ میں عمر بھر میں شکوہ تو بعد کی بات ہے شوق کی تفصیل بھی محبوب کے سامنے عرض نہ کر پایا ہوں۔

ہے یاس میں اسدؔ کو ساقی سے بھی فراغت
دریا سے خشک گزری مستوں کی تشنہ کامی

چونکہ مجھے شدتِ یاس ہے اس لئے ساقی سے توقع نہیں کہ وہ مجھے شراب دے گا پس میں اس کی طرف سے بے نیاز ہو گیا ہوں۔ پیاسا، شرابی دریا کے پاس سے گزر جائے اور پیاسا رہ جائے عجیب بات ہے لیکن میرے ساتھ یہی ہوا ہے۔

(۱۶۰)

دِلّی کے رہنے والو! اسدؔ کو ستاؤ مت
بے چارہ، چند یوم کا یاں میہمان ہے

یاں کے معنی لازماً دِلّی نہیں بلکہ دُنیا بھی ہو سکتے ہیں۔ اسدؔ یہ نہیں کہہ رہا کہ "میں دِلّی میں چند روز کا مہمان ہوں اُس کے بعد کسی اور شہر میں چلا جاؤں گا۔" بلکہ یہ کہہ رہا ہے کہ "میں آپ لوگوں کے بیچ یعنی دُنیا میں چند روز کا مہمان ہوں۔"

(۱۶۱)

کیا غم ہے اس کو جس کا علی سا امام ہو
اتنا بھی، اے فلک زدہ، کیوں بے حواس ہو

شعر صاف ہے۔ اے فلک کے ستائے ہوئے علی جیسے امام کے ہوتے تو کیوں گھبرا رہا ہے۔

(۱۶۲)

پہلو تہی نہ کر غم و اندوہ سے اسدؔ
دل وقفِ درد کر کہ فقیروں کا مال ہے

پہلو تہی کرنا: بچنا۔ اہلِ دل درویش، اہلِ درد ہوتے ہیں یعنی دردِ عشق رکھتے ہیں۔ اے اسدؔ تو رنج سے کنارہ کشی نہ کر۔ دل میں درد کو ٹھہرنے دے کیونکہ عارف درویشوں کا سرمایہ دردِ دل ہی ہے۔

(۱۶۳)

نظر بہ نقصِ گدایاں، کمال بے ادبی ہے
کہ خارِ خشک کو بھی دعویٔ چمن نسبی ہے

فقیروں کے افلاس کے عیب کو دیکھنا بے ادبی ہے۔ سوکھا کانٹا بالکل مفلس ہوتا ہے لیکن اسے بھی باغ کے خاندان سے ہونے کا دعویٰ ہے یعنی اس کی گرہ میں مال نہیں تو کیا وہ ہے تو عالی نسل۔ فقیر بھی ایسے ہی ہو سکتے ہیں۔

ہوا وصال سے شوقِ دلِ حریص زیادہ
لبِ قدح پہ کفِ بادہ، جوشِ تشنہ لبی ہے

وصال سے شوقِ وصل بعد زیادہ بھڑکا۔ کسی کے ہونٹوں پر جھاگ آئے ہوں تو وہ پیاس ظاہر کرتے ہیں۔ پیالے میں شراب بھری تھی وہ پی لی۔ اب اس کے کناروں (ہونٹوں) پر شراب کے جھاگ لگے رہ گئے ہیں خالی پیالہ اور اس کے کف آلودہ طرفین کو دیکھ کر شراب کی مزید خواہش ہوتی ہے اور پیاس محسوس ہونے لگتی ہے۔ محبوب سے ایک بار وصل کے بعد اسی طرح دوبارہ وصل کو جی چاہتا ہے۔

خوشا وہ دل کہ سراپا طلسمِ بے خبری ہو
جنون و یاس و الم، رزقِ مدعا طلبی ہے

کوئی مدعا، مقصود ٹھہرا لیا جائے۔ اس کو پورا کرنے کی جدوجہد کی جائے تو کیا ملے گا جنون، یاس، الم۔ مدعا طلبی کو محض یہ غذا ملتی ہے کیا اچھا ہے وہ دل کہ بے خبری اور مدہوشی کا طلسم بنا ہوا ہو نہ وہ مدعا سے واقف ہو نہ یاس و الم سے

چمن میں کس کی، یہ برہم ہوئی ہے بزمِ تماشا
کہ برگ برگ سمن، شیشہ ریزۂ حلبی ہے

شیشہ آئینے کو بھی کہتے ہیں۔ حلب: شام کا شہر ہے جہاں کے آئینے مشہور ہیں۔ رونق دیدار یا جشن کے لئے جو بزمِ تماشا سجائی جائے اس میں آئینہ بندی بھی کی جائے گی۔ باغ میں ہر طرف چنبیلی کے پھولوں کی پنکھڑیاں پڑی ہیں جو شیشۂ حلبی کے ٹکڑوں کی طرح معلوم ہوتی ہیں۔ کسی کی بزمِ دید برہم ہوئی ہے۔ پھول اور شیشے دونوں بزم آرائی میں کام آتے ہیں۔

امامِ ظاہر و باطن، امیرِ صورت و معنی
علی ولی، اسد اللہ، جانشینِ نبی ہے

ولی اللہ بھی حضرت علی کا ایک لقب ہے۔ جانشینِ نبی کہہ کر غالب نے خالص شیعہ نظریے کی ترجمانی کی ہے۔

(۱۶۴)

ظاہر ہے، طرزِ قید سے، صیاد کی غرض
جو دانہ دام میں ہے، سو اشکِ کباب ہے

اشکِ کباب اس رطوبت کو کہتے ہیں جو کباب کو آنچ پر سینکتے وقت اس میں نمودار ہو۔ پرندہ دام میں پھنسا۔ صیاد نے اسے وہیں قید رہنے دیا اور اس کے کھانے کے لئے دانے ڈالے۔ یہ دانے اشکِ کباب کی طرح ہیں۔ گویا اس طرزِ قید سے صیاد کا منشا ظاہر ہوا کہ وہ پرندے کو مار کر اس کے کباب لگائے گا۔

بے چشمِ دل، نہ کر ہوسِ سیرِ لالہ زار
یعنی یہ ہر ورق، ورقِ انتخاب ہے

ورقِ انتخاب: کسی کتاب کا بہترین ورق۔ باغ کی سیر کو محض آنکھ کافی نہیں چشمِ بصیرت چاہئیے دل بیدار ہو تب باغ کو دیکھ۔ اس کا ہر خطہ ورقِ انتخاب ہے یعنی اس کے ہر پتے میں ہزار صنائع ہیں۔ شاعر نے صحیح کہا ہے کہ

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

(۱۶۵)

ہے پیچ تابِ رشتۂ شمعِ سحر گہی
خجلت گدازیِ نفسِ نارسا ہے مجھے

شمع کا جلتا ہوا دھاگا ہمیشہ ہی کچھ نہ کچھ ہلتا ہے۔ صبح کے قریب جو شمع جلائی جائے گی۔ امکان یہ ہے کہ پورا جلنے سے پہلے ہی اسے بجھا دیا جائے گا کیونکہ صبح کی روشنی ہو جائے گی۔ اس طرح یہ اُس سانس کی طرح ہے جو نارسائی کے باعث شرمندہ ہو کر جل اور پگھل رہا ہے۔ شمعِ صبح کے جلتے ہوئے دھاگے کا ہلنا اسی شرمندگی کی وجہ سے ہے کہ یہ جل کر ختم نہ ہو سکے گی۔

واں رنگ ہا بہ پردۂ تدبیر ہیں ہنوز
یاں شعلۂ چراغ ہے برگِ حنا مجھے

محبوب ابھی غور ہی کر رہا ہے کہ کن رنگ و غازہ سے آرائش کرے۔ طرح طرح کی ترکیبیں اور تدبیریں زیرِ غور ہیں اور ہمیں برگِ حنا ہی اس طرح جلا رہا ہے۔ جیسے چراغ کے شعلے پر ہاتھ رکھنے سے جلن ہو۔ جب یہ پوشیدہ رنگ ہی اس طرح جلاتا ہے تو جب رنگ ظاہر ہو کر محبوب کے جسم کو واقعی آراستہ کریں گے تو ہمیں کتنا پریشان کریں گے۔

پرواز ہا نیازِ تماشائے حسنِ دوست
بالِ کشادہ ہے نگہِ آشنا مجھے

پرندے ہوا میں پرواز کر رہے ہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری اُڑانیں حسنِ دوست کو دیکھنے کی غرض سے ہیں۔ مجھے ان پرندوں کے کھلے ہوئے بازو کسی آشنائی نگہہ کی طرح معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان پرندوں کا اور میرا ایک ہی مقصد ہے

از خود گزشتگی میں خموشی پہ حرف ہے
موجِ غبارِ سرمہ ہوئی ہے صدا مجھے

از خود گزشتگی: خود فراموشی۔ حرف ہے۔ اعتراض ہے۔ سرمہ کھانے سے آواز ختم ہو جاتی ہے۔ موجِ غبارِ سرمہ بھی خاموشی کی نشانی ہے۔ میں جوشِ عشق میں خود کو بھول گیا لیکن اس حالت میں بولنا کیوں چھوڑ دیا۔ یہ موجبِ اعتراض ہے۔ میرے لئے آواز سرمے کی موج بن گئی۔ یعنی خاموشی میں بدل گئی۔ خاموش رہ کر اپنا دلی منشا تو کہہ ہی نہیں سکتے۔

دوسرے مصرع میں مبتدا و خبر بدل لئے جائیں تو دوسرے معنی ہو جائیں گے۔ میں از خود رفتہ ہوا تو کوئی مضائقہ نہ تھا۔ خاموش رہا یہ موجبِ اعتراض ہے کیونکہ میری خموشی سے لوگوں نے تاڑ لیا کہ یہ دل کا مریض ہے۔ اس طرح میری خاموشی (جو اصلاً موجِ غبارِ سرمہ ہے) میری رسوائی کی صدا بن گئی۔

تا چند پست فطرتیِ طبعِ آرزو؟
یارب ملے بلندیِ دستِ دُعا مجھے

کوئی آرزو کرنے سے انسان سطح سے پست ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی زندگی میں ایک فقدان اور کمی کا احساس آجاتا ہے اس لئے آرزو مند طبیعت پست ہوتی ہے۔ دوسری طرف کسی خواہش کے سرانجام کرنے کے لئے خدا سے دعا کی جاسکتی ہے۔ دعا میں ہاتھ اوپر کو اُٹھائے جاتے ہیں دعا میں کسی قدر رفعت بھی ہے کیونکہ اس میں خدا کی ذات پر عقیدہ شامل ہے۔ اس طرح دعا کرنا بلندی ہے۔ محض آرزو کی پستی میں پڑے رہنے کی بجائے دعا مانگنے کی بلندی زیادہ پسندیدہ ہے۔ آرزو اور دعا چیز ایک ہی ہیں لیکن دونوں کے مزاج میں فرق ہے آرزو میں عقیدت ہیا دیتی شامل ہو کر دعا بن جاتی ہے۔

یاں آب و دانہ موسمِ گل میں حرام ہے
زنّار واگسستہ ہے موجِ صبا مجھے

اُردو شاعری میں یہ ڈھونگ تو رچا ہی جاتا ہے کہ عاشق اسلام پر کفر کو ترجیح دیتا ہے بعض شعرا اسے بت پرست کہتے کہتے زنّار دار بھی بنا دیتے ہیں۔ غالؔب کو ہندوؤں کی اس رسم سے حیرت انگیز واقفیت تھی کہ زنّار ٹوٹ جائے تو اس دوران میں کچھ نہیں کھاتے بلکہ خاموش بھی رہتے ہیں۔ بہار کی ہوا کی موج ٹوٹے ہوئے جنیئو کی طرح ہے چونکہ میرا زنّار ٹوٹ گیا ہے اس لئے بہار میں میرے لئے کھانا پینا حرام ہے۔

یک بار امتحانِ ہوس بھی ضرور ہے
اے جوشِ عشق بادۂ مرد آزما مجھے

مرد آزما: قوی۔ بادۂ مرد آزما: تیز شراب۔ میں ایک بار دیکھنا چاہتا ہوں کہ شدّتِ ہوس میں کیا ہوتا ہے۔ اے جوشِ عشق ایک بار مجھے جذبے کی تندی میں مبتلا کر دے۔

دوسرے لطیف معانی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ ایک بار رقیب کی ہوس کا امتحان بھی ضروری ہے۔ اگر محبوب کے سامنے اس کی اور اپنی حالت کا تقابل پیش کیا جائے تو خود بخود اس کا امتحان ہو جائے گا۔ اے جوشِ عشق مجھ پر شدّت کا عشق طاری کر دے تاکہ اس کے بعد میں ہر بلا اور آزمائش کیلئے آمادہ رہوں۔ تب ہوس اور عشقِ پختہ مغز کا موازنہ ہو سکے گا۔

میں نے جنوں سے کی جو اسدؔ التماسِ رنگ
خونِ جگر میں ایک ہی غوطہ دیا مجھے

میرا رنگ اُڑ گیا ہے۔ میں نے جنونِ عشق سے جو درخواست کی کہ مجھے رنگ عطا ہو اس نے مجھے خونِ جگر میں غوطہ دیا۔ اپنے ہی خون میں شرابور ہونا رنگینی نہیں خستہ حالی ہے۔ جگر کا خون ہونا رنج و ملال میں ہوتا ہے۔

(۱۶۹)

کہوں کیا گرم جوشی مے کشی میں شعلہ رویاں کی
کہ شمعِ خانۂ دل آتشِ مے سے فروزاں کی

شعلہ رو: سُرخ چہرے والے حسین۔ شراب پیتے وقت حسین بہت گرم جوش اور بامروّت ہو گئے اس دوران انھوں نے میرے ساتھ بڑا لطف کا برتاؤ کیا جس سے میرے دل میں روشنی ہو گئی گویا ان کی شرابِ سُرخ کی آگ نے میرے دل کی شمع کو روشن کیا یا پھر ان کی گرم جوشی کو ان کے دل میں شمع جلنے سے منسوب کیا ہے اور یہ شمع شراب کی آگ سے جلائی گئی ہے۔

ہمیشہ مجھ کو طفلی میں بھی مشقِ تیرہ روزی تھی
سیاہی ہے مرے ایام میں لوحِ دبستاں کی

تیرہ روزی: بدقسمتی۔ لوحِ دبستاں: مکتب میں بچوں کی خوشنویسی کی تختی۔ میں نے بچپن میں مکتب میں تختی کو کالا کیا وہی سیاہی میری زندگی میں بھر گئی ہے میں بچپن سے سیاہی کی مشق کرتا آیا ہوں اس لئے میری قسمت سیاہ ہے۔

دریغ آہِ سحر گہ کارِ بادِ صبح کرتی ہے
کہ ہوتی ہے زیادہ سرد مہری شمع رویاں کی

سرد مہری: بے مروّتی۔ چونکہ لفظ سرد مہری میں سرد کا لفظ آیا ہے اس لئے بے مروّتی کو ٹھنڈا مان کر شعر کہا ہے۔ صبح کی ہوا ٹھنڈی ہوتی ہے۔ گویا وہ حسینوں کے برتاؤ کو ٹھنڈا کر دے گی صبح کے وقت ہم جو آہ کرتے ہیں وہ بھی صبح کی ہوا کا کام کرتی ہے یعنی حسینوں کو اور زیادہ بے مروّت کر دیتی ہے۔ سحر گہ بادِ صبح اور شمع رو میں رعایت ہے۔

مجھے اپنے جنوں کی بے تکلف پردہ داری تھی
ولیکن کیا کروں آ دے جو رسوائی گریباں کی

میں چاہتا تھا کہ اپنے جنونِ عشق کو لوگوں سے پوشیدہ رکھوں اس صورت میں گریباں چاکی سے پرہیز کرنا تھا لیکن اس سے گریباں کی رسوائی ہوگی کیونکہ گریباں کا چاک ہونا ہی اہلِ دل ہونے کی علامت ہے۔ میں نے گریباں کے وقار کی خاطر سے چاک کیا اور نتیجۃً میرا جنون بھی ظاہر ہو گیا۔

ہنر پیدا کیا ہے میں نے حیرت آزمائی میں
کہ جوہر آئینے کا ہر پلک ہے چشمِ حیراں کی

کمالِ عشق میں حیرت کا تحفہ ملتا ہے۔ میری چشمِ حیراں آئینہ ہے اور پلکیں آئینے کے جوہر سے مشابہ ہیں۔ آئینہ کا جوہر بھی خس کی شکل میں ہوتا ہے اور آئینہ حیران بھی ہوتا ہے۔ میں نے حیرت کے باب میں یہ ہنر دکھایا ہے کہ پلکوں سے جوہرِ آئینہ پیدا کر دیا۔ جوہر کے معنی کسی چیز کا نچوڑ یا کمال بھی ہیں اس لئے جوہر پیدا کرنا ہنر ہوا۔

خدایا! کس قدر اہلِ نظر نے خاک چھانی ہے
کہ ہیں صد رخنہ، جوں غربال، دیواریں گلستاں کی

باغ کی دیواریں چھلنی کی طرح سوراخ ہو رہے ہیں۔ اہلِ نظر نے باغ میں پھولوں کا دیدار کرنے کیلئے دیوار میں سوراخ کئے ہوں گے۔ کتنی مصیبت اٹھائی کتنی خاک چھانی۔ مٹی کی دیوار میں سوراخ کرنے کیلئے واقعی خاک چھاننی پڑی ہوگی۔ خاک چھاننا محاورہ بھی ہے۔ ایک لطیف معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ معلوم نہیں اہلِ نظر پھولوں کی تلاش میں کہاں کہاں ٹکر کھاتے پھرے ہیں۔ باغ کی دیواریں جو ان کی دید میں مانع تھیں اہلِ نظر کے حالِ زار پر غمگیں ہیں۔ غم کے مارے ان کا سینہ چھلنی ہو گیا ہے۔ دیوار کے سوراخ شگافِ غم ہیں۔

ہوا شرمِ تہی دستی سے وہ بھی سرنگوں آخر
بس اے زخمِ جگر! اب دیکھ لی شورش نمکداں کی

شورش کے معنی ہنگامہ کے ہیں لیکن شور کھارے پن کو کہتے ہیں اس لئے لفظ شورش میں نمکینی کی طرف بھی ایک اشارہ ہے۔ نمکداں سے مراد نئی قسم کی میز کی نمکدانی نہیں جو اگر بھری بھی ہو تو بھی اس کے سوراخوں میں سے نمک لینے کے لئے اسے الٹا کرنا پڑتا ہے بلکہ نمک سے بھرا کوئی پیالہ ہے۔ جب تک اس میں نمک کافی ہے ہاتھ سے اٹھا لیا جاتا ہے جب ختم ہو جائے گا تب اسے الٹا کر کے جھاڑا جائے گا تاکہ تلی میں لگا ہوا بچا کچھا کچھ سفوف نکل آئے۔ زخمِ جگر

مسلسل نمک طلب کرتا ہے۔ آخر میں نمکدان کو اس کے اوپر الٹ کر جھاڑ اگیا۔ شاعر نے حسنِ تعلیل سے کہا ہے کہ خالی ہونے کی شرم سے اس نے سر نیچا کر لیا۔ نمک داں کا سارا شور و غل ماند ہو کر رہ گیا۔

بہ یادِ گرمیِ صحبت، برنگِ شعلہ دہکے ہے
چھپاؤں کیونکہ غالبؔ سوزشیں داغِ نمایاں کی

مجھے یاد آتا ہے کہ ماضی میں محبوب کے ساتھ کتنی گرم صحبتیں ہوتی تھیں۔ ان کی یاد میں جو داغ دل پر ہے وہ شعلے کی طرح دہک رہا ہے۔ ایسے نمایاں داغ کی جلن کو دوسروں سے کیونکر چھپاؤں

(۱۶۷)

نہ کھینچ اے دستِ سعیِ نارسا، زلفِ تمنا کو
پریشاں تر ہے میرے خامے سے تدبیر مانی کی

سعیِ نارسا کے ہاتھ سے مراد اپنا ہاتھ ہے۔ اے میری کوتاہ کوشش تمنا کی زلف کی تصویر بنانے کی کوشش نہ کر۔ اس کوشش میں نہ صرف میرا موقلم پریشان ہے بلکہ مجھ سے کہیں زیادہ ماہر نقاش مانی بھی پریشان ہے۔ خامے کی پریشانی اس کے بالوں کے بکھرنے سے ظاہر ہے۔ زلفِ تمنا کی تصویر کھینچنے سے مراد ہے سعیِ نارسا کی مدد سے تمنا پوری کرنا۔ تمنا بر آری کی جدوجہد بے سود ہے۔

کہاں ہم بھی رگ و پے رکھتے ہیں انصاف بہتر ہے
نہ کھینچے طاقتِ خمیازہ، تہمت ناتوانی کی

طاقت کھینچنا تو محاورہ ہوتا نہیں تہمت کھینچنا ہے اس لئے دوسرے مصرع کی نثر ہوئی "طاقتِ خمیازہ ناتوانی کی تہمت نہ کھینچے۔" بہتر صورت یہ ہوتی کہ "ناتوانی کی تہمت طاقتِ خمیازہ نہ کھینچے۔" فی الحال شعر کا مطلب یہ ہے۔

ہم انگڑائی لے رہیں اس سے یہ نتیجہ نہ نکال لو کہ ہمارے رگ پٹھے ہیں چونکہ انگڑائی کی طاقت ناتوانی کا الزام نہ لینا چاہتی تھی۔ اس لئے مجبوراً انگڑائی لی۔

دوسرے مصرع کا متن یوں ہوتا ہے ع نہ کھینچے تہمتِ خمیازہ طاقت ناتوانی کی تو غالب کی روایات کے مطابق ہوتا۔ شاعر کو ظاہر یہ کرنا چاہئیے کہ انگڑائی لینے کی طاقت نہیں

تکلف برطرف، فرہاد اور اتنی سبک دستی
خیال آساں تھا لیکن خوابِ خسرو نے گرانی کی

تکلف برطرف، بھرتی کا ٹکڑا ہے۔ سبک دستی: ہوشیاری اور چالاکی۔ فرہاد کیلئے اتنی تیز دستی

ممکن نہ تھی کہ بیستوں کاٹ کر جوئے شیر لاتا۔ اس سے وعدہ کیا گیا تھا کہ تو بیستوں کو تراش دے گا تو شیریں تجھے مِل جائے گی۔ فرہاد کی سبک دستی کی ذمہ داری اسی معاوضے کے خیال پر ہے۔ یہ خیال تو آسان تھا کہ کام پورا کیا اور شیریں ہاتھ آجائے گی لیکن خسرو کے تغافل نے دشواری پیدا کر دی۔

۵ اسدؔ کو بوریے میں دھر کے پھونکا موجِ ہستی نے
فقیری میں بھی باقی ہے شرارت نوجوانی کی

——— فقیروں کے پاس بستر کے لئے بوریا ہوتا ہے۔ اسدؔ کی خانماں بربادی کا یہ عالم ہے کہ یہ بوریے کے ساتھ جل کر مر گئے۔ لڑکپن کا کھیل ہوتا ہے کہ کاغذ یا خس و خاشاک کے ڈھیر میں آگ لگا کر خوش ہوتے ہیں۔ فقیری میں بھی اسدؔ نے وہی شرارت کی حالانکہ اس میں خود بھی جلنا پڑا۔ جلد یا بدن کو بھی بوریا قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس طرح موجِ ہستی کے ہاتھوں جسم کا جلنا ذات کا بوریے میں ملفوف ہو کر جلنا ہوا۔ موجِ ہستی اور بوریے میں موج وجہِ اشتراک ہے۔

(۱۶۸)

بجز دیوانگی ہوتا نہ انجامِ خود آرائی
اگر پیدا نہ کرتا آئینہ زنجیر جوہر کی

محبوب نے آئینے کے سامنے بیٹھ کر خود آرائی کی۔ اس کا آراستہ چہرہ دیکھ کر آئینے کو دیوانگی ہو جاتی اور وہ وحشت میں بھاگ کھڑا ہوتا لیکن جوہرِ آئینہ زنجیر کا کام کر گیا اور اس نے آئینے کی وحشت جولانی کو روکا۔ ہاتھ پاؤں کے ساتھ اس کا دماغ بھی قابو میں رہا اور وہ دیوانگی سے بچ گیا۔ فولادی آئینے کا جوہر مسلسل نقطوں یا دھاریوں کی شکل میں دکھائی دیتا ہے اس لئے اسے زنجیر سے مشابہ کر سکتے ہیں۔

مرادِ دل مانگتے ہیں، عاریتِ اہلِ ہوس شاید
یہ جایا چاہتے ہیں آج دعوت میں سمندر کی

ہوس پرست لوگ میرا دل اُدھار مانگ رہے ہیں۔ شاید انھیں آگ میں رہنے والے سمندر نے دعوت پر بلایا ہے چونکہ میرا دل آگ کا ٹکڑا ہے اس لئے یہ اسے لے کر جانا چاہتے ہیں۔ ورنہ ان کا حوصلہ کہاں کہ سوزش کا سامنا کر سکیں۔

غرورِ لطفِ ساقی، نشۂ بے باکیٔ مستاں
نمِ دامانِ عصیاں ہے، طراوت موجِ کوثر کی

تردامن، کہتے ہیں گناہگار کو۔ گناہ کرنے والوں کو ساقیٔ کوثر حضرت علی کے کرم پر غرور ہے۔

اس لئے بدمست گناہ گار بڑے بے باک ہو گئے ہیں۔ بے فکری سے گناہ کرتے ہیں۔ ان کے گناہ کے دامن کی نمی گویا آبِ کوثر ہے کیونکہ شفاعت کے بعد یہ گناہ ثواب میں بدل جائے گا۔

اسدؔ جز آب بخشیدن زدریا خضر کو کیا تھا
ڈبوتا چشمۂ حیواں میں گر کشتی سکندر کی

کشتی ڈبونا: کسی کو تباہ کرنا، مقصد میں ناکام کرنا۔ شعر کے دو معنی ممکن ہیں۔ (۱) خضر سکندر کو آبِ حیات کی مہم پر لے گیا تو کون سی بڑی جرأت دکھائی۔ اگر وہاں پہنچ کر سکندر تباہ بھی ہو جاتا اور غرقاب بھی ہو جاتا تو خضر کو صرف یہی کرنا تھا کہ دریائے آبِ حیات کا کچھ پانی سکندر کو بخش دے اور وہ دوبارہ زندہ ہو جائے۔ (۲) خضر نے جب سکندر کا بیڑا ہی ڈبویا تو دریائے حیواں میں کیوں نہ ڈبویا۔ اس دریا میں سے تھوڑا سا پانی کشتی ڈبونے کیلئے وقف کرنا پڑتا۔

(۱۶۹)

ہوا ہے مانعِ عاشق نوازی، نازِ خود بینی
تکلف برطرف، آئینۂ تمیز حائل ہے

خود بینی کے معنی ہیں۔ غرور، اپنی ذات میں ساری خوبیاں دیکھنا۔ لغوی حیثیت سے خود کو دیکھنے کیلئے آئینہ درکار ہے۔ یہاں عقل و تمیز کا آئینہ فراہم کر دیا۔ کوئی حسین آئینہ دیکھ رہا ہے اور سامنے عاشق بیٹھا ہو تو عاشق اور حسین کے بیچ آئینہ حائل نظر ہوگا۔ محبوب خود بینی کی وجہ سے ناز کرتا ہے خود کو بہت سمجھتا ہے اس لئے عاشق پر توجہ نہیں کرتا۔ گویا اس کے شعورِ خود بینی کا آئینہ عاشق اور اس کے بیچ مزاحم ہے۔

بہ سیلِ اشک لختِ دل ہے دامن گیر مژگاں کا
غریقِ بحر جویائے خس و خاشاکِ ساحل ہے

آنسوؤں کے سیلاب میں دل کے ٹکڑے پلکوں کا دامن پکڑ کر سہارا لے رہے ہیں جس طرح سمندر میں ڈبکیاں کھانے والا ساحل کے خس و خاشاک کا سہارا ڈھونڈھے۔ پلکوں کو خسِ ساحل سے مشابہ کیا ہے۔

بہا ہے یاں تک اشکوں میں غبارِ کلفتِ خاطر
کہ چشمِ تر میں، ہر یک پارۂ دل پائے در گِل ہے

رنج و غم کو غبار سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ رونے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ گویا غبار نکل

جاتا ہے۔ آنسوؤں میں دل کا غبار یہاں تک بہا ہے کہ آنسوؤں کے ساتھ دل کے جو ٹکڑے آئے وہ آنکھ میں یوں پھنس کر رہ گئے جیسے کسی کے پاؤں گیلی مٹی یا کیچڑ میں دھنس گئے ہوں۔

نکلتی ہے تپش میں بسملوں کی برق کی شوخی
غرض اب تک خیالِ گرمیِ رفتارِ قاتل ہے

بسملوں کو قاتل کی رفتار کی تیزی کی یاد آرہی ہے اس لئے ان کی تڑپ میں بجلی کی شوخی ظاہر ہو رہی ہے۔ یہ یادِ رفتارِ قاتل کا ردِ عمل ہے کیونکہ قاتل کی رفتار میں بھی برق کی شوخی تھی۔

(۱۴۰)

تشنۂ خونِ تماشا جو وہ پانی مانگے
آئینہ رخصتِ اندازِ روانی مانگے

خونِ تماشا سے مراد دیکھنے والوں کا خون۔ جو لوگ محبوب کو گھور کر دیکھتے ہیں محبوب ان کے خون کا پیاسا ہے۔ ان تماشائیوں میں آئینہ ممتاز ہے۔ آئینے کے پاس خون تو ہے نہیں پانی ہے۔ اگر محبوب آب آئینہ مانگے تو آئینہ خوشی خوشی بہنے کی اجازت چاہے گا تا کہ اپنے پانی کو محبوب کے سامنے لا کر ڈال دے۔

رنگ نے گل سے دمِ عرض پریشانیِ بزم
برگِ گل ریزۂ مینا کی نشانی مانگے

نسخۂ حمیدیہ میں "رنگ نے گل سے" ہے اور یہ بہتر نسخہ ہے۔ دونوں طرح معنی دیکھئے۔ برگِ گل کی مشابہت ریزۂ مینا سے ہے۔ جب کوئی بزم برہم ہوتی ہے تو پھولوں کو بھی توڑ کر پنکھڑیاں بکھیر دیتے ہیں اور گلاس اور بوتلیں ٹوٹ کر ریزے بھی پھیل جاتے ہیں۔ رنگ پھول کا رنگ نہیں بلکہ محفل کا رنگ ہے

(۱) پھول سے رنگِ محفل نے عرض کی کہ آخر میں محفل بالکل منتشر ہو گئی تھی۔ رندوں نے بوتلیں پھوڑ دی تھیں۔ پھول نے کہا۔ ایسا ہے تو پھولوں کو بھی توڑا پھوڑ دیا ہو گا۔ ان کی بکھری ہوئی پنکھڑیاں دکھاؤ تو مینا کے ریزہ ہونے کا یقین آئے۔

(۲) اگر "رنگ نے گل سے" مانا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ گل نے رنگ سے کہا کہ محفل برہم ہو گئی تھی۔ مینا اور گل کے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ رنگ نے کہا کہ نشانی کے طور پر پھول کی پنکھڑیاں دکھاؤ۔ آسی نے رنگ سے مراد رنگِ گل لیا ہے۔ میری رائے میں رنگِ محفل یعنی رونقِ محفل بہتر ہے۔

زلفِ تحریر پریشانِ تقاضا ہے مگر
شانہ ساں موبہ زباں خامۂ مانی مانگے

موبہ زباں اُگ آنا۔ مبالغے کیلئے آتا ہے۔ محبوب کو وصل کے تقاضے کیلئے جو تحریر لکھی ہے وہ اس طرح پریشان ہے جیسے زلفِ محبوب۔ دوسرے مصرع کے دو مفہوم ہیں۔ (۱) خامۂ مانی جس نے تحریر لکھی ہے شانے کی طرح زباں میں بال چاہتا ہے تا کہ تحریر کو سلیقے سے پیش کر سکے۔ شانے کی زبان میں بال ہوتا ہے۔ موبہ زبان مبالغہ بھی ہوتا ہے اس لئے خامۂ مانی یہ چاہتا ہے کہ وہ تقاضے کا بیان بہت مبالغے سے کر سکے۔ (۲) مانگے کا فاعل تحریر کو مانا جائے۔ تحریر چاہتی ہے کہ شانے کی طرح زبان میں بال لینے والا مانی کا قلم یعنی موقلم برش میسر ہو تا کہ بیانِ تقاضا سلیقے سے کیا جا سکے۔ اس صورت میں شانہ ساں کے بعد وقفہ نہیں ہو گا۔

آمدِ خط ہے نہ کر خندۂ شیریں کہ مباد
چشمِ مور آئینۂ دل نگرانی مانگے

خط کو مور یعنی چیونٹی سے تشبیہ دی جاتی ہے اس لئے آسی نے چشمِ مور سے مراد سبزۂ خط لیا ہے۔ لیکن لغت میں چشمِ مور کسی بہت باریک اور چھوٹی چیز کو کہتے ہیں۔ چاروں طرف خط سے گھرا ہوا بہت چھوٹا دہن چشمِ مور کے مفہوم کو برجستگی سے ادا کرتا ہے۔ آئینۂ دل نگرانی کے معنی وہ آئینہ جو دل کی نگرانی کرے "نہیں ہو سکتے۔ آئینۂ دل نگرانی : آئینۂ دل کی نگرانی دل کو آئینے سے تشبیہ دی جاتی ہے خط حسین ہوتا ہے۔ خط کے آنے پر محبوب نے خوش ہو کر خندہ کیا۔ عاشق منع کرتا ہے کہ ایسا نہ کر مبادا تیرا خندہ کرنے والا چشمِ مور جیسا دہن اپنی زیبائش کے مشاہدے کے لئے میرے دل کے آئینے کا طالب ہو یعنی دل لے لے۔

ہوں گرفتارِ کمیں گاہِ تغافل کہ جہاں
خوابِ صیاد سے پروازِ گرانی مانگے

خوابِ صیاد : صیاد کا وہ مصنوعی خواب جو وہ پرندوں کو فریب دینے کیلئے ظاہر کرتا ہے۔ غفلت کی کمیں گاہ کے ایک طرف صیاد ہے جو خواب کا بہانہ کئے ہے دوسری طرف میں ہوں جو اڑنے کی سکت یا خواہش ہی نہیں رکھتا۔ میری پرواز یہ چاہتی ہے کہ پر گراں ہو جائیں۔ میں اڑ نہ سکوں اور اسیر ہو جاؤں۔ صیاد جو بظاہر خوابِ گراں میں مبتلا ہے میری پرواز خود اسی سے گرانی کی طالب ہے یعنی میری غفلت اتنی زیادہ ہے کہ میں پرواز کو بھلا کر اسیر ہونے کو بیٹھا ہوں۔

چشمِ پرواز و نفس خفتہ، مگر ضعفِ اُمید
شہپرِ کاہ، پئے مژدہ رسانی مانگے

پرواز کے وقت آنکھ جو بیدار و ہشیار رہتی ہے سوئی ہوئی ہے۔ سانس سویا ہوا ہے یعنی بہت دھیما پڑ گیا ہے مگر کمزور اُمید اب بھی میرے پاس مژدہ لانا چاہتی ہے۔ آئے کس طرح؟ گھاس کے نحیف تنکے کے پر سے اُڑ کر۔ گویا اُمید کی کوئی صورت نہیں سارے آثار یاس کے ہیں پھر بھی اُمید دھوکا دے کر پرچائے جا رہی ہے۔

وحشتِ شورِ تماشا ہے کہ جوں نکہتِ گل
نمکِ زخمِ جگر بال فشانی مانگے

محبوب کے دیدار کے شور نے وحشت بپا کی ہوئی ہے۔ پھول کی خوشبو کی طرح زخمِ جگر کا نمک بھی پرواز کیا چاہتا ہے۔ وحشت میں یہی ہوتا ہے کہ چار طرف جولانی کیجئے۔ نمکِ زخم کے پھیلنے اور فضا پر چھانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ میں تماشے کے لئے جدھر بھی جاؤں وہیں میرے زخمِ جگر پر یہ آکر برس پڑے۔ دیدِ محبوب سے درد ہوتا ہی ہے۔

گر ملے حضرتِ بیدل کا خطِ لوحِ مزار
اسدؔ آئینۂ پردازِ معانی مانگے

پرداز: آرائش۔ آئینے یا شیشے پر بھی نقش و نگار بنائے جاتے ہیں۔ بیدل کی نازک خیالی مشہور ہے۔ اگر اسد ان کے لوحِ مزار کا کتبہ مل جائے تو اس سے معنی کے نقش و نگار بنانے کا آئینہ مانگے۔ دراصل دوسرے مصرع میں "آئینہ پردازِ معانی" کی جگہ "آئینہ پردازیِ معانی" کا موقع تھا۔

(۱۷۱)

آسی نے اس غزل کی شرح نہیں کی۔

ہم زباں آیا نظر فکرِ سخن میں تو مجھے
مردمک ہے طوطیِ آئینۂ زانو مجھے

شعر میں چند در چند رعایات ہیں۔ آئینے کے سامنے طوطی رکھ کر پیچھے سے کوئی شخص بولتا ہے تو طوطی اپنے عکس کو ہم زباں سمجھتی ہے۔ زانو پر سر رکھ کر غور کیا جاتا ہے اس لئے زانو فکر کی علامت ہے۔ زانو کو صفائی کی وجہ سے آئینے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اس لئے آئینۂ زانو کہہ سکتے ہیں لیکن یہاں آئینۂ زانو سے مراد آئینۂ تخیل ہے۔ جب میں نے فکرِ سخن کی تو جو کچھ غور کیا وہی نظر

کے سامنے پھر گیا گویا اے آنکھ کی پتلی تو نے ہم زبانی کی۔ آنکھ کی پتلی تخیل کے آئینے میں طوطی کا عکس بن کر میرے ساتھ ہم زبان ہو گئی۔ شعر میں آنکھ کی پتلی کو خطاب کیا ہے۔

باعثِ واماندگی ہے عمرِ فرصت جو مجھے
کر دیا ہے پا بہ زنجیرِ رمِ آہو مجھے

جیسے کسی بھاگتے ہوئے ہرن کے ساتھ کسی کو زنجیر کر دیا جائے تو وہ بھی تیزی سے بھاگتا جائے گا۔ میری عمر بھی اسی طرح تیزی سے اُڑی چلی جا رہی ہے۔ اسے فرصت یا لمحاتِ سکون کی ضرورت ہے اس کی تیزی سے مجھے تھکن ہو رہی ہے۔ شاید عمر تیز دوڑ کر قیام کی فرصت تلاش کر رہی ہے۔

خاکِ فرصت بر سرِ ذوقِ فنا اے انتظار
ہے غبارِ شیشۂ ساعت، رمِ آہو مجھے

زماں کے قطعۂ ارض پر میں ذوقِ فنا لئے موت کے انتظار میں ہوں۔ شیشۂ ساعت میں اس ڈبے سے اس ڈبے میں ریت میرے لئے اتنی تیزی سے گزر رہا ہے جیسے ہرن کے تیز بھاگنے سے اُڑتا ہو۔ ریت کا تیزی سے گزرنا نشانی ہے وقت یعنی عمر کے تیزی سے گزرنے کی۔ میں فنا ہونا چاہتا ہوں عمر تیزی سے ختم ہو رہی ہے۔ غبارِ شیشۂ ساعت: ریت گھڑی کا ریت

سے یادِ مژگاں میں بہ نشتر زارِ سودائے خیال چاہیے وقتِ تپش یک دست صد پہلو مجھے

یک دست: برابر، متصل۔ نسخۂ بھوپال میں اصلاً صحرائے خیال تھا جسے بدل کر سودائے خیال بنا دیا۔ خیال کا جنون نشتر زار ہے کیونکہ محبوب کی پلکوں کی یاد میں تڑپتا ہوں۔ اس تڑپ کے لئے ایک پہلو کافی نہیں سو پہلو چاہئیں تاکہ یاد کے نشتر اچھی طرح چبھ سکیں۔

کثرتِ جور و ستم سے ہو گیا ہوں بے دماغ
خوب رویوں نے بنایا عاقبت بدخو مجھے

حسینوں کے ستم برداشت کرتے کرتے میں چڑچڑا اور نازک مزاج ہو گیا ہوں۔ اچھے چہرے والوں نے آخر مجھے بداخلاق بنا کر چھوڑا۔

اضطرابِ عمر بے مطلب نہیں آخر کہ ہے
جستجوئے فرصتِ ربطِ سرِ زانو مجھے

ربطِ سرِ زانو: دونوں زانوؤں کے سروں کا ملانا جو قیام کے وقت ہی ممکن ہے۔ چلنے میں

دونوں زانو الگ الگ رہتے ہیں۔ زانوؤں کا مستقل ربط مرنے ہی پر ممکن ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میری زندگی کی بے چینی بے مطلب نہیں کیونکہ میں ایسی فرصت چاہتا ہوں کہ دونوں زانوؤں کو ملائے رہوں۔

ربطِ سر و زانو ہوتا تو معنی کچھ اور ہوتے۔

چاہیے درمانِ ریشِ دل بھی تیغِ ناز سے
مرہمِ زنگار ہے وہ وسمۂ ابرو مجھے

تیغِ ناز ابرو کو کہا ہے۔ اسی نے دل میں زخم ڈالا ہے اسی سے زخمِ دل کا علاج ہونا چاہیے۔ اُس ابرو کی سیاہی میرے لئے مرہم کی طرح ہے۔ وہ ابرو میرے دل کی طرف ملتفت ہو جائے تو زخم بھر جائے۔ کیا غالب کے زمانے میں بھی ابروؤں پر سیاہی لگانے کا فیشن تھا۔

ساز ایمائے فنا ہے، عالمِ پیری اسدؔ قامتِ خم سے ہے حاصل شوخیِ ابرو مجھے

انگلی کی طرح ابرو سے بھی اشارہ کیا جاتا ہے۔ محبوب کی ابرو شوخی سے مجھے فنا کا اشارہ کرتی ہے۔ بڑھاپے میں میرے قد کا جھکنا ابروئے محبوب کی طرح ہے گویا یہ بھی فنا کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ سازِ ایما: اشارے کا سامان۔

(۱۷۲)

فرصتِ آرامِ غشِ ہستی ہے، بحرانِ عدم
ہے شکستِ رنگِ امکاں، گردشِ پہلو مجھے

بخار میں بہت بڑے تغیر کو بحران کہتے ہیں۔ اگر صحت کی جانب ہو تو بحرانِ تام جید اور ہلاکت کی طرف ہو تو بحرانِ تام ردی کہتے ہیں۔ اس شعر میں بحرانِ عدم سے مراد موخر الذکر بحران ہے۔ ہستی کے بعد بحرانِ عدم آجانا در اصل فرصت میں آرام کے مترادف ہے۔ شکستِ رنگِ امکان: عالمِ امکاں کا بگڑنا یعنی ہستی کا ختم ہونا۔ ہستی کا رنگ اُڑ جانا میرے لئے کروٹ بدلنے کی طرح ہے اور بس۔ ہستی غش کے عالم میں ہے۔ اگر موت آگئی تو گویا ہستی کروٹ بدل کر آرام کرنے لگی۔

(۱۷۳)

دلِ بیمار از خود رفتہ، تصویرِ نہالی ہے
کہ مژگاں ریشہ دارِ نیستانِ شیرِ قالی ہے

تصویرِ نہالی: بچھونے پر بنی تصویرِ شیرِ قالی۔ قالین پر بنا شیر ناتوانی کی علامت ہوتا ہے۔ دونوں سے دل مراد ہے۔ ریشہ دار: محاورے میں مجروح کو کہتے ہیں لیکن یہاں لغوی معنی

میں لیا گیا ہے۔ میرا بیمار دل ہوش و حواس کھو چکا ہے بیماری کے سبب اتنا کمزور ہو کر بستر سے لگ گیا ہے کہ بچھونے پر بنی تصویر کا گمان ہوتا ہے۔ دل کو بچھونے کے قالین کا شیر سمجھئے۔ شیر نیستان میں رہتا ہے۔ میری پلکیں نیستان کی طرح ہیں۔ جیسی روح ویسے فرشتے۔ ناتواں شیر کیلئے نیستان بھی دھان پان ہوگا۔ پلکیں نیستان کا ریشہ رکھتی ہیں یعنی نیستان کا ریشہ ہیں۔ مژگان کو واحد استعمال کرنا جائز ہے اسی لئے اس کے ساتھ "ہے" کا استعمال کیا گیا ہے۔

سرورِ نشۂ گردش، اگر کیفیت افزا ہو
نہاں، ہر گردبادِ دشت میں جامِ سفالی ہے

گردش: زمانے میں ٹکریں اور ٹھوکریں کھانا۔ اگر گردش کا نشہ مست کرنے پر آئے تو جنگل کے ہر بگولے میں شراب کا پیالہ موجود ہے گردش کا شکار جنگلوں میں پریشان ہوگا وہاں بگولے سے سامنا ہوگا۔ بگولے میں ایک طرف گردشِ انسان سے مشابہت ہے تو دوسری طرف گردشِ جام سے۔ خاک کا بنا ہوتا ہے اس لئے اسے مٹی کا پیالہ کہا۔

عروجِ نشہ ہے سرتا قدم، قدِ چمن رویاں
بجائے خود، وگرنہ، سرو بھی مینائے خالی ہے

چمن رو: وہ حسین جن کا چہرہ چمن کی طرح ہوتا ہے۔ حسینوں کا قد اوپر سے نیچے تک مستی اور نشے سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ عروجِ نشہ کا لفظ خوب لکھا ہے نشہ آور کیفیت حسین انسان کے قد ہی میں ہے۔ ورنہ سرو جو حسنِ قد کی مثال ہے۔ کوئی نشہ نہیں پیدا کرتا۔ یہ بوتل سے مشابہ ہے لیکن محض خالی بوتل ہے۔

ہوا آئینہ، جامِ بادہ عکسِ روئے گلگوں سے
نشانِ خالِ رُخ، داغِ شرابِ پرتگالی ہے

جام اکثر رنگین شیشے کا ہوتا ہے۔ محبوب کے سُرخ رنگ کے چہرے کے عکس سے آئینہ شراب کے جام کی طرح رنگین ہوگیا۔ ساتھ میں خال کے عکس سے یہ معلوم ہوتا تھا جیسے خیالی جام میں ایک جگہ شراب کا داغ لگا ہو۔ آسی نے آئینے کو بھرا جام مانا ہے لیکن ہمارے خیال میں خالی جام ہے تاکہ داغِ شراب دکھائی دے سکے۔ بھرے جام میں داغِ شراب بے معنی ہے۔

بہ پائے خامۂ مو، طے رہِ وصفِ کمر کیجے
کہ تارِ جادۂ سرمنزلِ نازک خیالی ہے

عرشی نے سر کے بعد دتعفہ دیا ہے۔ اس طرح شعر کے معنی یہ ہوں گے۔

خامۂ مو: اس کے معنی موقلم یا برش نہیں بلکہ ایک بال کو قلم بنالیا۔ کمر باریک ہے اس کا وصف بال کو قلم بنا کر لکھنے سے بیان ہوگا۔ کمر تک پہنچنے والا تار جیسا جادہ ہے۔ یہ جادہ بڑی نازک خیالی کا مقام ہے اس لئے بال کے قلم سے اس کا بیان ہوگا۔ پائے خامہ سے راستہ طے کرنا: قلم سے لکھ کر بیان کرنا۔ آسی نے سر منزل کو ایک لفظ مانا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں معنی ہوں گے۔ سر منزل: منزل، مقام۔ کمر کا وصف بال کے قلم سے لکھیئے کیونکہ کمر نازک خیالی کی منزل کا تارِ جادہ ہے۔

۵ اسد اٹھنا قیامت قامتوں کا وقتِ آرائش، لباسِ نظم میں بالیدنِ مضمونِ عالی ہے

بڑا مشہور شعر ہے۔ خوش قد حسینوں کا آرائش کرتے وقت اٹھنا ایسا ہے جیسے شعر میں کوئی بلند مضمون ابھر رہا ہو۔ وقتِ آرائش کی جگہ بعدِ آرائش بہتر ہوتا۔

(۱۷۴)

بتانِ شوخ کا دل سخت ہوگا کس قدر یارب

مری فریاد کو کہسار سازِ عجز نالی ہے

عجز نالی: عاجزی کی وجہ سے فریاد کرنا۔ سازِ عجز نالی: ایسا ساز جس میں سے عاجزی بھری فریاد نکلے۔ کہسار میں آواز گونج کر واپس ہوتی ہے۔ میں نے پہاڑ پر جا کر نالہ و شیون کیا۔ اس کے جواب میں کہسار سے ایسی آواز آئی جیسے عاجزی کی وجہ سے یہ بھی فریاد کرنے پر مجبور ہو کوہ پر تو میری فریاد کا اتنا اثر ہوا۔ شوخ بتوں کا دل کتنا سخت ہے کہ ان پر فریاد کا کوئی اثر نہ ہوا۔ دل کی سختی کی مناسبت سے بت کا لفظ خوب لائے ہیں۔ بت لغوی معنی میں پتھر کی مورت ہے۔

نشانِ بے قرارِ شوق بجز مژگاں نہیں باقی

کئی کانٹے ہیں اور پیراہنِ تشکلِ نہالی ہے

عاشق عشق میں بہت بے قرار ہوا۔ بیمار ہوا۔ بستر پر پڑ گیا اور اتنا کاہیدہ ہوگیا کہ اب اس کی صرف پلکیں باقی رہ گئی ہیں۔ باقی جسم غائب۔ پلکیں اس لئے بچی ہیں کہ عاشق کو جلوۂ محبوب دیکھنے کی بڑی حسرت تھی۔ اس کے بچھونے پر ایک انسانی شکل بنی ہے اس نے جو پیراہن پہن رکھا ہے اس میں عاشق کی پلکیں کانٹے بن کر کھٹک رہی ہیں۔ خار پیراہن ایذا دینے والی شے کو کہتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے خود عاشق کو تشکلِ نہالی کہا ہو اور اسی کے پیراہن میں پلکیں کھٹک رہی ہیں

ہوں یعنی حسرتِ دید کی وجہ سے بے قراری ہو۔

جنوں کر اے چمن تحریر درسِ شغلِ تنہائی

نگاہِ شوق کو صحرا بھی، دیوانِ غزالی ہے

شغلِ تنہائی شاعری ہے۔ درسِ شغلِ تنہائی: شاعری کا درس یعنی اوراقِ شعر۔ چمن تحریر درسِ شغلِ تنہائی: وہ شاعر جو دوسروں کے لئے تنہائی میں بیٹھ کر پڑھنے کے لئے باغ جیسے اشعار تصنیف کرتا ہے۔ اے شاعر جنوں اختیار کر۔ عشق کا شوق رکھنے والی نگاہ کے لئے جنگل بھی دیوانِ اشعار ہے۔ غزالی ایک شاعر ہے

سیہ مستیِ اہلِ خاک کو ابرِ بہاری سے

زمیں، جوشِ طرب سے جامِ لبریزِ سفال ہے

بہار کے زمانے میں بادل زمین پر برسا۔ اہلِ زمین خوشی کے جوش میں ایسے مست ہوگئے جیسے زمین پر پانی نہیں برسا بلکہ مٹی کا کوزہ شراب سے بھر گیا۔ زمین کو جامِ سفال سے اور ابر کو سیہ مستی لانے والی شراب سے تشبیہ دی ہے۔

اسد مت رکھ تعجب خرد ماغی ہائے منعم کا

کہ یہ نامرد بھی شیر افگنِ میدانِ قالی ہے

خرد ماغی کے معنی حمق کے علاوہ غرور اور اکڑ کے بھی ہیں۔ شیر افگنِ میدانِ قالی: قالین کے میدان کا شیر افگن یعنی حفاظت سے بزم میں بیٹھ کر اکڑ دکھانے والا یا محض لفظوں میں دادِ شجاعت دینے والا۔ قالین رئیسوں کے یہاں ہی ہوتا ہے قالین پر شیر کی تصویر بھی بنی ہوتی ہے اس لئے رئیس کو قالین پر شیر پچھاڑنے والا کہنا بہت مناسب ہے۔ اسد امیر کی اکڑ پر تعجب نہ کر کیونکہ یہ گھر میں قالین پر بیٹھ کر بڑا دلیر اور شجاع ہونے کا دعویٰ کرتا ہے جی حضوریوں کے سامنے بڑی ڈینگیں ہانکتا ہے۔

(۱۷۵)

نشۂ مے، بے چمن، دودِ چراغِ کشتہ ہے

جام، داغِ شعلہ اندودِ چراغِ کشتہ ہے

نشے میں گویا شکم سے دماغ کی طرف ابخرات اٹھتے ہیں اس لئے دھوئیں سے اس کی تشبیہ برجستہ ہے۔ باغ میں جائے بغیر شراب پی جائے تو اس کا نشہ بجھائے جانے والے چراغ کے

دھوئیں کی طرح ہوگا اور جامِ چراغ کی لو سے پیدا شدہ داغ کی طرح ہوگا۔ داغ بھی اس چراغ کا جو بجھ گیا ہے۔ شعلہ اندود : شعلہ کا ملمع کیا ہوا۔

داغِ ربطِ ہم ہیں اہلِ باغ ، گر گل ہو شہید
لالہ چشمِ حسرت آلودِ چراغِ کشتہ ہے

اہلِ باغ ایک دوسرے کے ربط کی وجہ سے حسرت و یاس کا داغ رکھتے ہیں مثلاً اگر گل شہید ہو تو لالہ اس کی ہمدردی میں بجھے ہوئے چراغ کی چشمِ حسرت آلود کی طرح دکھائی دے گا۔ چراغ کی آنکھ خود چراغ کی کشادگی ہے آسی نے پہلے مصرع کے معنی میں لکھا ہے کہ اہلِ باغ ایک دوسرے سے رشک کرتے ہیں میری رائے میں ایک دوسرے کے ہمدرد ہیں۔

شور ہے کس بزم کی عرضِ جراحت خانہ کا
صبح یک زخمِ نمک سودِ چراغِ کشتہ ہے

محبوب کی محفل میں ایک کمرے میں بہت سے عاشقوں کو زخمی کیا گیا ہے۔ چنانچہ صبح بھی ایک زخم کی مانند ہے جس پر نمک چھڑکا ہوا ہے۔ شگاف کی وجہ سے صبح کو زخم سے شبیہ کیا ہے اور سفیدی کی وجہ سے نمک سے۔ چراغِ کشتہ کا زخم اس لئے کہا ہے کہ چراغ کے بجھنے کو کشتن کہتے ہیں۔ جب کسی کو قتل کیا جائے تو زخم بھی آئے گا۔ صبح کے زخم آنے کا ثبوت چراغ کا قتل ہے۔ چراغ کا بجھنا صبح کی دلیل ہے۔ "کس کے جراحت خانے کا شور" سے مراد محبوب کے قصائی خانے کا شور ہے۔ شور کے معنی نمکینی کے بھی ہیں لیکن یہاں مراد نہیں رعایتِ لفظی کی خاطر غالب نمک کے ذکر کے ساتھ شور کا لفظ اکثر لاتے ہیں۔

نامرادِ جلوہ ، ہر عالم میں حسرت گل کرے
لالہ ، داغِ شعلہ فرسودِ چراغِ کشتہ ہے

جو محبوب کے جلوہ سے محروم رہا ہو وہ ہر عالم میں حسرت ظاہر کرتا ہے۔ لالہ اصلاً بجھے ہوئے چراغ کا وہ داغ ہے جو شعلے نے بنایا ہے۔ چونکہ چراغ کو محبوب کا جلوہ نصیب نہ ہوا اس لئے وہ مر کر بھی داغ ظاہر کر گیا۔ دوبارہ لالہ کے پردے میں ظاہر ہوا۔ لالہ بھی جلوۂ یار سے محروم ہے اور اس کے بھی داغ ہے۔ گل کردن فارسی محاورہ ہے جس کے معنی ظاہر کرنے کے ہیں۔

ہو جہاں تیرا دماغِ ناز مستِ بے خودی
خوابِ نازِ گل رخاں ، دودِ چراغِ کشتہ ہے

بجھائے ہوئے چراغ کا دھواں پیچ و خم کھاتا ہوا ہوتا ہے۔ نیز یہ نحوست بلکہ قربِ مرگ کی نشانی ہے۔ جہاں تو ناز کے ساتھ بے خودی میں مست ہو (یار) دوسرے حسین اگر خوابِ ناز کر رہے ہوں تو وہ ایسا پریشان اور کھڑاتا ہوا منحوس ہوگا جیسے بجھے چراغ کا دھواں۔

ہے دلِ افسردہ داغِ شوخیِ مطلب اسدؔ
شعلۂ آخر فالِ مقصودِ چراغِ کشتہ ہے

میرے افسردہ دل کا مقصود شوخی کی وجہ سے مجھ سے دور دور رہتا ہے جس کے نتیجے میں دل پر ناکامی کا داغ ہے۔ بجھے ہوئے چراغ کو آخر شعلے کی تلاش رہتی ہے۔ شعلہ نصیب ہو جائے تو چراغ روشن ہو جائے۔ میرا دلِ افسردہ چراغِ کشتہ ہے اور شعلہ مطلوب ہے۔

آسی نے لکھا ہے کہ میں نے شعلۂ چراغ سے فال لی کہ وہ آخر کار بجھ گیا اس لئے میں بھی شوخیِ مقصد کی وجہ سے داغ ہوں کیونکہ مجھے بھی اپنی بد انجامی نظر آ رہی ہے۔

میرے خیال میں یہ معنی چند وجوہ سے صحیح نہیں۔ دل کو افسردہ کہنا ظاہر کرتا ہے کہ شوخیِ مقصد [illegible] نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ شعلے کو چراغِ کشتہ کے مقصود کی فال نہیں بلکہ انجام کی فال کہہ سکتے ہیں۔

(۱۷۴)

آئینہ نفَس سے بھی ہوتا ہے کدورت کش
عاشق کو غبارِ دل اک وجہِ صفائی ہے

آئینے اور دل میں مشابہت ہے۔ آئینہ پر سانس چھوڑا جائے تو وہ گندا ہو جاتا ہے دل کے آئینے میں غبار آ جائے تو اس کی صفائی کی اور زیادہ ضرورت ہے۔ غبارِ دل سے مراد رنج ہے اس کی وجہ سے صفائی ہو جائے گی۔

ہنگامِ تصورِ ہوں دریوزہ گرِ بوسہ
یہ کاسۂ زانو بھی اک جامِ گدائی ہے

زانو اُلٹے پیالے کی طرح ہوتا ہے۔ زانو پر سر رکھ کر سوچا جاتا ہے۔ تصور کے وقت محبوب کے بوسے کی بھیک کی تلاش ہوتی ہے۔ اس طرح زانو کاسۂ گدائی ہو جاتا ہے۔

وہ دیکھ کے حسن اپنا مغرور ہوا غالب
صد جلوۂ آئینہ ایک صبحِ جدائی ہے

اس نے آئینے میں اپنا حسن دیکھا اور مغرور ہو گیا۔ غرورِ حسن کے بعد اس نے مجھ کو دور دور رکھنے کی ٹھانی۔ آئینے میں اس کی وجہ سے سینکڑوں جلوے ہو گئے۔ لیکن میرے لئے یہ سو جلوے صبحِ جدائی بن گئے۔

آسی اس شعر کے مبتدا و خبر کی ترتیب میں سہو کر گئے۔ لکھتے ہیں صبحِ جدائی سو آئینوں کا ایک آئینہ ہے۔ اسی آئینہ میں میرے محبوب نے اپنا حسنِ دلکش دیکھا جس سے وہ مغرور ہو گیا اور مجھ سے ملنے کیلئے اس کے دل میں انکار پیدا ہوا۔

(۱۷۷)

یوں بعدِ ضبطِ اشک پھروں گرد یار کے
پانی پیے کسو پہ کوئی جیسے وار کے

میں نے آنکھ میں آنسو ضبط کر لئے ہیں اور اس کے بعد یار کے چاروں طرف گھوم رہا ہوں ایسا لگتا ہے جیسے کوئی کسی چہیتے کے سر پر پانی وار کر پی لے۔ کسی کے سر پر پانی وار کر پینا اس بات کی نشانی ہے گویا ہم نے اس کی بلائیں اپنے سر لے لیں۔ محبوب کے گرد آنسو روک کر پھرنا اس لئے ضروری ہے کہ محبوب ہماری اشک افشانی پر آزردہ ہوتا۔

بعد از وداعِ یار، بہ خوں در تپیدہ ہیں
نقشِ قدم ہیں ہم کفِ پائے نگار کے

یار کے جانے کے بعد میں خون میں لوٹ رہا ہوں اور تڑپ رہا ہوں گویا یار کے سرخ تلووں کا نقشِ قدم ہوں کیونکہ وہ بھی لوٹتا ہے اور سرخیِ کف کی وجہ سے خون میں لوٹتا ہے۔

ظاہر ہے ہم سے، کلفتِ بختِ سیاہ روز
گویا کہ تختۂ مشق ہیں خطِ غبار کے

تختۂ مشق : خوشخطی کی مشق کی تختی۔ خطِ غبار وہ خط ہے جس میں ہر حرف کے قالب میں نقطے نقطے بھرے رہتے ہیں۔ کلفتِ دل کو گرد سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ ہماری سیاہ روزی کی بدبختی ہماری شکل سے ظاہر ہے کیونکہ ہم خطِ غبار کی تحریر کی لوح ہیں جو تحریر کی وجہ سے سیاہ یعنی سیاہ بخت ہوتی ہے اور غبار کی وجہ سے دل میں غبار آلود۔

حسرت سے دیکھ رہتے ہیں ہم آب و رنگِ گل
مانندِ شبنم، اشک ہیں، مژگانِ خار کے

کانٹا پلک سے مشابہ ہوتا ہے اور اس کی اوس آنسو سے۔ ہم حسرت سے پھول کا آب و رنگ دیکھ رہے ہیں جیسے کانٹے کی شبنم بے چارگی سے آنسو بن کر پھول کو دیکھتی ہے۔

ہم مشقِ فکرِ وصل و غمِ ہجر سے اسدؔ
لائق نہیں رہے ہیں غمِ روزگار کے

ہمیں وصل کی فکر رہتی ہے اور موجودہ ہجر کا غم۔ عشق کے علاوہ کچھ اور نہیں سوجھتا غمِ روزگار کے لائق نہیں رہے یعنی روزگار کی طرف توجہ کی فرصت نہیں رہی۔

(۱۷۸)

بہ نقصِ ظاہری، رنگِ کمالِ طبع پنہاں ہے
کہ بہرِ مدعائے دل، زبانِ لال، زنداں ہے

جسم میں ظاہراً کوئی نقص ہو تو بھی اس کے اندر طبیعت کا کمال ہو سکتا ہے اگر کسی کی زبان گونگی ہو تو وہ دل کا مقصد ظاہر نہیں کر سکتا گویا مقصودِ دل گونگے پن کے زنداں میں ہے اس طرح دل کی بات دل میں محفوظ رہ گئی اور کامل رہی۔ اسی کی مثال پر شاعر نے کسی قدر شوخی سے مقصدِ دل کے اخراج نہ ہونے کو اس کے کمال کی علت قرار دیا۔

خموشی خانہ زادِ چشمِ بے پروا نگاہاں ہے
غبارِ سرمہ یاں گردِ سوادِ نرگستاں ہے

خانہ زاد: گھر میں پیدا ہوا غلام زادہ۔ حسین بے پروائی سے عاشقوں پر نگاہ کرتے ہیں۔ خموشی ان کی آنکھ کی غلام ہے۔ سرمہ کھانے سے آواز جاتی رہتی ہے۔ اس نرگس زار کے اطراف کی گرد سرمہ کا غبار ہے اس لئے یہاں خاموشی ہونی ہی چاہیئے۔ آنکھوں کو نرگستاں کہا جن کے سواد میں سرمہ لگایا جاتا ہے۔ خموشی کا تعلق دہن سے ہے لیکن نطق ہو کہ خاموشی دونوں کا اظہار آنکھ میں ہوتا ہے۔ حسین لوگ عاشقوں کے ساتھ خموشی کا برتاؤ پسند کرتے ہیں۔

صفائے اشک میں داغِ جگر جلوہ دکھاتے ہیں
پرِ طاؤس گویا، برقِ ابرِ چشمِ گریاں ہے

چمک کی وجہ سے جگر کے داغوں کو پرِ طاؤس سے مشابہ کیا ہے۔ داغِ جگر اکھڑ کر پورے کے پورے آنسوؤں میں بہہ کر آتے ہیں۔ یہ پرِ طاؤس رونے والی آنکھ کے بادل یعنی صاف آنسوؤں میں بجلی کی طرح چمکتا ہے۔

بہ بوئے زلفِ مشکیں، یہ دماغ آشفتہ رَم ہیں

کہ شاخِ آہواں، دودِ چراغ آسا پریشاں ہے

اس کی زلفِ مشکیں کی خوشبو سونگھنے کے لئے ہرنوں کے دماغ رَم پر عاشق ہوگئے ہیں یعنی ہر طرف دوڑتے پھرتے ہیں تاکہ خوشبو کو زیادہ از زیادہ سونگھا جائے۔ چونکہ دماغ آشفتہ ہے اور پاؤں تیزی سے بھاگ رہے ہیں اس لئے ہرن کے سینگ چراغ کے دھوئیں کی طرح پیچ و تاب کھا رہے ہیں بل رہے ہیں پریشان ہیں۔ سینگوں کا ہلنا ایک طرف تیزیٔ رَم کا نتیجہ ہے تو دوسری طرف آشفتگیٔ دماغ کا عکس۔

(۱۷۹)

گنجینۂ معنی میں اس غزل کے مطلع کا مصرعِ اوّل ہے ع جہاں زندانِ موجستانِ دل ہائے پریشاں ہے لیکن اختلافِ نسخ کے مطابق نسخۂ شیرانی میں اس مصرع کو بدل کر ع تمام اجزائے عالم صیدِ دامِ چشمِ گریاں ہے۔ کر دیا۔ ہم اصلاح شدہ مصرع کو ترجیح دیں گے۔

تمام اجزائے عالم صیدِ دامِ چشمِ گریاں ہے

طلسمِ شش جہت یک حلقۂ گردابِ طوفاں ہے

رونے کا مبالغہ ہے تمام دُنیا رونے والی آنکھ کے جال میں شکار کی طرح ہے۔ کائنات کا کارخانہ طوفان میں ایک بھنور کی طرح ہے۔ یہ طوفان آنسوؤں کا پانی بہنے سے پیدا ہوا۔

طلسمِ شش جہت: چھ اطراف یعنی کائنات

نہیں ہے مُردنِ صاحب دلاں جز کسب جمعیت

سویدا میں نفس، مانندِ خط در نقطہ پنہاں ہے

جمعیت اور دل جمعی پریشانی کے برعکس طمانیتِ قلب کو کہتے ہیں۔ شاعر نے لفظِ جمعیت سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ جمعیت کے لفظی معنی ہیں ایک گروہ کا جمع ہونا۔ خط نقطوں کا مجموعہ ہوتا ہے گویا کسی طرح ایک خط کو سکوڑ کر ایک نقطے میں سما سکتے ہیں۔ اسی طرح نفس یا سانس کا تصور تار یا خط کا ہے اور سویدا دل کا مرکزی نقطہ ہے۔ سانس کے خط کو اسی طرح دبا دبا کر سویدا میں سمایا جا سکتا ہے۔ یہ جمعیت ہوئی حالانکہ اس طرح سانس کا ایک نقطے میں بند ہونا موت بھی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اہلِ دل (عشاق، عارف) کا مرنا دل جمعی حاصل کرنے کی واحد ترکیب ہے۔ اس طرح وہ سانس کو سکوڑ کر سویدا میں بند کر دیتے ہیں۔ یہ جمعیت کا

عمل ہوا۔ زندگی میں عارفوں کو سکون نصیب نہیں ہوتا اس لئے جب وہ سکون کا اکتساب چاہتے ہیں تو یہ کام کرتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے نتیجے میں ان کی جان جاتی رہتی ہے۔

غبارِ دشت وحشت، سرمہ سازِ انتظار آیا

کہ چشمِ آبلہ میں طولِ میلِ راہ مژگاں ہے

دشت کے جنگل میں یہ لمبی راہ پر چلے جاتے ہیں انتظار ہے کہ آخرکار محبوب تک پہنچ جائیں گے۔ چلتے چلتے پاؤں میں آبلے پڑ گئے ہیں۔ آبلہ آنکھ سے مشابہ ہے اور طویل راستہ سرمہ لگانے والی سلائی سے جو اس جنگل کا غبار چشمِ آبلہ میں لگا رہا ہے۔ راستے کی سلائی چشمِ آبلہ کیلئے پلکوں کا کام کر رہی ہے۔ انتظار میں پلکیں ایک سمت کو لگی رہتی ہیں۔ اس لئے ایک طرف راستے کی پلکیں انتظار کی علامت ہیں دوسری طرف غبارِ دشت نے انتظار کا سرمہ فراہم کیا ہے۔ نسخۂ عرشی میں راہ پر اضافت دی ہے جو نہیں ہونی چاہیے۔

بہ لیس دوشِ رمِ آہو پہ ہے محملِ تمنّا کا

جنونِ قیس سے بھی شوخیٔ لیلیٰ نمایاں ہے

مجنوں کو ہرنوں کی آنکھیں پسند تھیں۔ کیونکہ ان میں لیلیٰ کی آنکھوں کی شوخی تھی۔ یوں ہرن جنگل میں ہوتے ہیں اور ان کا وجود قیس کی مجنونیت کی طرف اشارہ ہے۔ تمنّا کا محمل ہرن کے رَم (تیز روی) کے کندھے پر ہے یعنی تمنّا ہاتھ نہیں آتی بھاگی جا رہی ہے۔ لیلیٰ بھی تو ہاتھ نہیں آتی۔ تمنّا کا رمِ آہو کے ساتھ ہونا لیلیٰ کی شوخی ہے کیونکہ لیلیٰ اور چشمِ غزال میں مناسبت ہے۔

نقابِ یار ہے، غفلت نگاہیِ اہلِ بینش کی

مژہ پوشیدنی ہا، پردۂ تصویرِ عریاں ہے

لوگوں کی نگاہیں غافل ہیں اس لئے محبوب کو نہیں دیکھ پاتیں اور یہ غفلت یار کے چہرے کا نقاب بن گئی ہے۔ پلکوں کو چھپانا یعنی پلکوں کو صحیح جانب نہ ڈالنا کھُلی تصویرِ یار کا پردہ ہے۔ پلکیں چق سے مشابہ ہوتی ہیں۔

اسدؔ بندِ قبائے یار ہے فردوس کا غنچہ

اگر وا ہو تو دکھلا دوں کہ یک عالم گلستاں ہے

اسدؔ یار کی قبا کا بند کھولا جائے تو اندر سے یار کا سینہ و شکم باغ جیسا نکل آئے گویا بند

جنت کی کلی ہے۔ کلی کھول کر پھول نظر آتا ہے اس کلی کے کِھلنے سے پورا باغ نظر آئے گا۔ یک عالم گلستاں : باغ کی ایک پوری دُنیا، بہت سا گلستاں

(۱۸۰)

کُجا مَے؟ کو عرق؟ سعیِ عروجِ نشہ رنگیں تر
خطِ رخسارِ ساقی، تا خطِ ساغر چراغاں ہے

شراب کہاں ہے اور عرقِ انگور کدھر ہے۔ ان کی ضرورت کسے ہے مستی بڑھتی جا رہی ہے اور رنگین تر ہوتی جا رہی ہے۔ ساقی کے خطِ سبزہ سے لے کر خطِ ساغر تک نشے کی سُرخی کے سبب روشنی ہو رہی ہے یعنی مستی کی فضا ہے۔ ایسے میں شراب کی کسے ضرورت ہے۔

رہا بے قدر دل، در پردۂ جوشِ ظہور آخر
گل و نرگس بہم، آئینہ و اقلیمِ کوراں ہے

پردۂ جوشِ ظہور، بھری پُری دُنیا۔ اتنی بھری دُنیا میں دل کی خوبیوں کی کسی نے قدر نہ کی۔ بہت سی نرگسوں کے بیچ ایک گلِ سرخ ہو تو نرگس کب اسے دیکھ پاتی ہے کیونکہ وہاں تو اندھوں کے دیس میں آئینے والی کیفیت ہے۔ آئینے ہے لیکن اسے دیکھے کون۔ نرگس بھی کور چشم ہے۔ میرے دل اور ابنائے زماں کا بھی یہی عالم ہے۔ خود نوشت دیوان میں "آئینہ و اقلیم" کی بجائے "آئینہ دہ اقلیم" ہے اور یہ بہتر ہے۔

تکلف سازِ رسوائی ہے غافل، شرمِ رعنائی
دلِ خوں گشتہ، در دستِ حنا آلودہ عریاں ہے

رعنائی و زیبائی کے بعد شرمایا بھی جائے تو بھی رسوائی ہو ہی جاتی ہے۔ تمہارے دستِ حنائی نے میرے دل کو خون کیا ہے۔ حنا لگانے کے بعد تم ہزار شرماؤ لیکن اس کے رنگ سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ تم نے کسی کے دل کو خون کیا ہے اور اس کے خون سے ہاتھوں پر رنگ آیا ہے اسی طرح دستِ حنائی میں دلِ خوں گشتہ صاف دکھائی دے رہا ہے۔

دوسرے مصرع میں دونوں پہلو ممکن ہیں۔ دل ہاتھ میں موجود نہیں ہاتھ کے رنگِ حنائی سے استنباط کیا جاتا ہے کہ کسی کے دل کو خون کیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دل واقعی ہاتھ میں ہے۔ اگر محبوب اسے چھپانا بھی چاہے تو بھی ممکن نہیں۔

تماشا، سرخوشِ غفلت ہے باوصفِ حضورِ دل
ہنوز آئینہ، خلوت گاہِ نازِ ربطِ مژگاں ہے

محبوب آئینے کے سامنے بیٹھ کر آرائش کر رہا ہے۔ اس کی پلکوں کا تعلق آئینے کی خلوت گاہِ ناز سے ہے یعنی اس کی نظریں آئینے میں کھوئی ہوئی ہیں۔ دوسری طرف تماشائی عاشق بڑی محویت سے اسے دیکھ رہا ہے۔ اس کے اس قدر خلوص کے باوجود محبوب کو اس کی طرف سے غفلت ہے۔ اس لئے غفلت سے پریشان ہو کر تماشائی بے ہوش سا ہوا جا رہا ہے۔

ممکن ہے غفلت کا تعلق محبوب سے نہ ہو خود تماشائی سے ہو۔ اس صورت میں سرخوشی غفلت کے معنی ہوں گے۔ ہوش و حواس رخصت ہو کر نشے کی سی کیفیت ہے۔ ابھی تو محبوب آرائش کے درمیان ہی ہے لیکن تماشائی کے ہوش پرواز کر گئے ہیں۔ جب وہ پوری آرائش کر کے عاشق کی طرف متوجہ ہوگا تو عاشق کی کیا کیفیت ہوگی۔

تکلف برطرف، ذوقِ زلیخا جمع کر ورنہ
پریشاں خواب، آغوشِ وداعِ یوسفستاں ہے

زلیخا نے تین بار حضرت یوسف کو خواب میں دیکھا اور ہر بار بیداری پر انھیں ہاتھ سے کھو دیا۔ خواب پریشاں کھلا اور منتشر ہوتا ہے اس لئے آغوشِ وداع سے مشابہ ہے اس خواب نے یوسف کے مستقر کو وداع کر دیا۔ اے عاشق تو زلیخا کی سی لگن جمع کر تو یوسف سا محبوب حاصل کر سکتا ہے زلیخا کی طرح پریشاں خواب کو کافی سمجھے گا تو یوسف کو کھو بیٹھے گا اس قسم کا خواب زلیخا نے ناکتخدائی کے زمانے میں دیکھا تھا۔

اسدؔ جمعیتِ دل در کنارِ بے خودی خوشتر
دو عالم آگہی سامانِ یک خوابِ پریشاں ہے

اسد دل جمعی بے خودی اور از خود رفتگی کے پہلو میں زیادہ اچھی طرح میسّر آ سکتی ہے عقل و علم تو کتنا بھی زیادہ کیوں نہ ہو ایک خوابِ پریشاں ہی دے سکتا ہے طمانیت نہیں۔

(۱۸۱)

عاشق نقابِ جلوۂ جانانہ چاہیے
فانوسِ شمع کو پرِ پروانہ چاہیے

فانوسِ شمع : فانوسِ شمع یا پردہ دارِ شمع۔ شمع کے اوپر کانچ کا فانوس نہیں بلکہ

پروانے کے پر کا فانوس ہونا چاہیئے۔ محبوب کے جلوئے کا نقاب عاشق کو بن جانا چاہیئے۔

پیدا کریں دماغِ تماشائے سرو و گل
حسرت کشوں کو ساغر و مینا نہ چاہیئے

جو حسرت نصیب مایوس لوگ ہیں۔ اُنھیں ساغر و مینا کا کیا کرنا ہے۔ جب دل ہی بجھا ہو تو شراب میں کیا لطف۔ ضرورت ہے کہ وہ طبیعت کو کشادہ و تازہ کریں باغ میں جا کر سرو و گل کی بہار دیکھنے کی خواہش جاگ جائے تو کافی ہے۔ غمِ گیتی کے ساتھ شراب کی بجائے شگفتگیِ دل کے ساتھ فقدانِ شراب زیادہ پسندیدہ ہے۔

دیوانگاں ہیں حاملِ رازِ نہانِ عشق
اے بے تمیز گنج کو ویرانہ چاہیئے

نسخۂ عرشی میں یہاں پروانہ چھپا ہے جب کہ شرحِ آسی میں ویرانہ ہے۔ پروانہ طباعت کی غلطی معلوم ہوتا ہے۔ دیوانے عشق کا راز اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں۔ خزانہ ویرانے ہی میں دفن ہوتا ہے۔ دیوانے ظاہراً ویرانے سے کم نہیں۔ اس لئے رازِ عشق کے خزانے کی امانت کیلئے موزوں ہیں۔

ساقی بہارِ موسمِ گل ہے سرور بخش
پیماں سے ہم گزر گئے، پیمانہ چاہیئے

ساقی بہار نے سرور کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اگرچہ ہم نے شراب نہ پینے کا پیماں کیا تھا لیکن ہم اس پیماں کو نظر انداز کر کے پیمانہ چاہتے ہیں۔

جادو ہے یار کی روشِ گفتگو اسدؔ
یاں جز فسوں نہیں، اگر افسانہ چاہیئے

بعضے لوگوں کی بات چیت میں افسانے کا لطف ہوتا ہے۔ یار کے اندازِ گفتگو میں بن دو سے اگر افسانوی رنگ ڈھونڈھتے ہو تو نہ ملے گا سوا افسون و جادو کے۔ ظاہر ہے گفتگو میں افسانویت ہونے سے افسوں ہونا زیادہ فضیلت کی بات ہے۔

(۱۸۲)

ہاتھ پر گر ہاتھ مارے یار وقتِ قہقہہ
کرمکِ شب تاب آسا مہ پر افشانی کرے

قہقہہ کرتے وقت اگر یار میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارے تو چاند جگنو کی طرح پر لگا کر اُڑ

جائے۔ کیوں؟ یار کے کفِ دست کی روشنی چاند سے زیادہ ہے ساتھ میں قہقہے کی شگفتگی شامل ہو جاتی ہے۔ ہاتھ مارنے میں آواز بھی نکلتی ہے ان سب سے چاند گھبرا جائے گا اپنی بے نوری کا احساس ہوگا اور یار کے مقابل سے بھاگ کھڑا ہوگا۔ چاند کو محبوب کے مقابلے میں محض کرمکِ شب تاب کہا ہے۔

وقت اس افتادہ کا خوش جو قناعت سے اسدؔ
نقشِ پائے مور کو تختِ سلیمانی کرے

نقشِ پائے مور بہت چھوٹا اور ذلیل ہوتا ہے پھر خاک سے متعلق ہے اس عاجز و خاکسار کا وقت خوش ہے جو خاک نشینی پر قناعت کر کے اسے بادشاہی سمجھ لے نقشِ مور اور تختِ سلیمان دو انتہا ہیں کم مائگی اور عظمت کی۔

(۱۸۳)

چشمِ خوباں، مے فروشِ نشہ زارِ ناز ہے
سرمہ، گویا موجِ دودِ شعلۂ آواز ہے

حسینوں کی آنکھ ناز کے نشے کی شراب بیچ رہی ہے یعنی اپنے ناز سے نشے کی کیفیت پیدا کر رہی ہے۔ شراب بیچنے کیلئے آواز لگانا ضروری ہے۔ دوسرے مصرع میں حسین نازک خیالی کی معراج ہے۔ سرمہ کھانے سے آواز جاتی رہتی ہے لیکن شاعر نے اسی سرمے کو آواز کی علامت قرار دیا۔ شعلے پر کاجل پارا جاتا ہے۔ شعلۂ آواز آواز کی گرمی اور نغمگی کو کہتے ہیں۔ شاعر نے سرمے کو شعلۂ آواز کے دھوئیں کی موج قرار دیا یعنی آنکھ کا کاجل چراغِ آواز کی لَو پر پاڑا گیا ہے اس لئے مجسم آواز ہے۔ آواز کاہے کی ؟ مے ناز فروشی کی۔ یعنی سرمۂ چشم، اظہارِ ناز کے سوا کچھ نہیں۔

ہے صریرِ خامہ ریزش ہائے استقبالِ ناز
نامہ خود پیغام کو بال و پرِ پرواز ہے

ریزش: چھڑکاؤ۔ محبوب کو چٹھی میں کوئی پیغام تحریر رہے ہیں۔ قلم کی آواز گویا ناز کے استقبال کیلئے چھڑکاؤ کی آواز ہے۔ چونکہ نامہ کا تحریر کرنا ہی استقبالِ محبوب کے مرادف ہے اس لئے خود نامہ پیغام کو تیزی سے لے جانے کے بال و پر فراہم کرتا ہے۔ صفحہ کاغذ کھلے ہوئے پروں سے مشابہ ہوتا ہے۔ استقبالِ ناز اسی وقت ہوگا جب صاحبِ ناز سامنے موجود ہو۔

اس لئے نامہ پیغام کو جلد از جلد حضورِ ناز میں لے جاتا ہے

سرنوشتِ اضطرابِ انجامیِ الفت نہ پوچھ
نالِ خامہ، خار خارِ خاطرِ آغاز ہے

نالِ خامہ : قلم کا ریشہ۔ خار خار : کسی خواہش کے پورا ہونے کے بارے میں اندیشہ و تردّد۔ اُلفت کی تقدیر یا سرنوشت لکھی جا رہی ہے۔ تقدیر لکھنے والے قلم کا ریشہ آغازِ عشق کرنے والے دل کے لئے تردد کا کانٹا ہے یعنی سرنوشتِ عشق کی بسم اللہ ہی میں دل میں چبھنے والی بات آگئی ہے اس لئے انجامِ اُلفت میں کتنا اضطراب تقدیر میں لکھا گیا ہے یہ نہ پوچھ۔ ابتدا تردد و اندیشہ سے ہے تو انتہا کمالِ اضطراب ہونی چاہیئے۔ خار خار محاورہ ہے۔ نالِ خامہ سے خار خار کا جواز پیش کرنا نازک خیالی ہے۔

شرم ہے طرزِ تلاشِ انتخابِ یک نگاہ
اضطرابِ چشم بر پا دوختہ، غماز ہے

چشم بر چیزے دوختن کنایہ ہے کمال توجہ کردن سے۔ چشم بر پا دوختہ : پاؤں پر سلی ہوئی آنکھ یعنی وہ آنکھ جو مسلسل پاؤں کی طرف (یعنی نیچے کی طرف) دیکھتی رہے۔ شرم میں محبوب کی آنکھ پاؤں کی طرف لگی رہتی ہے لیکن اس شرم میں یہ بے قراری ہوتی ہے کہ کوئی موقع ملے تو کنکھیوں سے آنکھ اُٹھا کر ایک نگاہ عاشق پر یا سامنے کی طرف ڈال لی جائے گویا شرم ایک نگاہ کے انتخاب کی تلاش سے زیادہ کچھ نہیں۔ شرم جو ظاہرا نگاہ کی ضد ہے۔ اسے ہی شاعر نے جوئندۂ نگاہ بازی قرار دیا ہے۔

نغمہ ہے کانوں میں اس کے نالۂ مرغِ اسیر
رشتۂ پا، یاں نوا سامانِ بندِ ساز ہے

نوا سامانِ بندِ ساز کے معنی ہیں ساز کی آواز کو بند کرنے کا سامان مہیا کرنے والا یعنی ساز کو خاموش کرنے والا۔ اس طرح اس ترکیب میں نوا کے معنی سامان کے ہیں آواز کے نہیں ستار یا رباب کو کسی تھیلی میں بند کر کے اس کے منہ کو ڈوری سے باندھ دیتے ہیں وہ بند ساز ہوا یعنی کہ پاؤں میں رشتہ باندھ کر اسیر کیا ہوا ہے۔ محبوب کیلئے گرفتار پرندے کی فریاد نغمے کی طرح ہے اور پرندے کیلئے پاؤں کا رشتہ ساز کو باندھنے کا رشتہ ہے یعنی اب پرندے کیلئے نغمہ کرنا ممکن نہیں۔

٭٭٭

شوخیِ اظہار غیر از وحشتِ مجنوں نہیں
لیلیِ معنی، اسدؔ، محمل نشینِ راز ہے

جیسے لیلی محمل میں پوشیدہ ہوتی ہے اسی طرح معنی، راز کے پردے میں پوشیدہ ہیں۔ شاعر انھیں ظاہر کرنے کی شوخی کرتا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے مجنوں وحشت میں لیلی کو محمل سے باہر لانا چاہے۔ مجنوں کی وحشت اور شاعر کی کوشش دونوں بڑی حد تک ناکام رہتی ہیں یعنی معنی پوری طرح راز سے باہر نہیں آتے۔

(۱۸۴)

خوابِ جمعیتِ مخمل ہے پریشاں مجھ سے
رگِ بستر کو ملی شوخیِ مژگاں مجھ سے

مخمل کے روئیں کا ایک سمت کو پڑے رہنا خوابِ مخمل کہلاتا ہے اور یہ گویا اس کی دلِ جمعی کی علامت ہے۔ میں جو اس پر لوٹا تو خود بھی جاگا کیا اور مخمل کے اطمینان بھرے خواب کو بھی درہم برہم کر دیا یعنی مخمل کے چپٹنے کا رُواں پریشان ہو گیا۔ رگِ بستر سے مراد تارِ بستر ہے۔ شوخیِ مژگاں سے مراد اگر محبوب کی مژگاں لی جائیں تو وہ عاشق کے دل میں چبھتی ہیں۔ تارِ بستر بھی مجھے اضطراب دے رہا ہے۔ اگر مژگاں سے مراد عاشق کی مژگاں ہوں تو جیسے بیداری کی وجہ سے وہ کھلی رہتی ہیں ویسے ہی تارِ بستر پریشان ہیں۔

کنجِ تاریک و کمیں گیریِ اختر شمری
عینک چشم بنا روزنِ زنداں مجھ سے

تاریک زنداں ہے۔ اس کے روزن پر آنکھ لگائے میں باہر آسمان کو دیکھ کر تارے گن رہا ہوں۔ چونکہ میری آنکھ روزن سے دور ہی نہیں ہوتی اس لئے روزن آنکھ کیلئے عینک بن گیا اختر شماری اکثر ہجر کی رات میں کی جاتی ہے۔

اے تسلّی، ہوسِ وعدہ فریب افسوں ہے
ورنہ کیا ہو نہ سکے نالہ بہ ساماں مجھ سے؟

فریب افسوں : افسونِ فریب دہ۔ مجھے یہ ہوس ہے کہ محبوب اپنا وعدہ پورا کرے اس کا ایک گونہ یقین بھی ہے جس کی وجہ سے مجھے کسی قدر تسلّی ہے اور یہ ہوس اور یقین مجھے فریب دینے والے منتر کا کام کر رہے ہیں ورنہ میں نالہ کر کے ابھی محبوب کو آنے پہ مجبور کر سکتا تھا لیکن اس کے

الفائے عہد کا فریب مجھے روکے ہے۔

بستنِ عہدِ محبت ہمہ نادانی تھا
چشمِ نکشودہ رہا عقدۂ پیماں مجھ سے

چشمِ نکشودہ : وہ شخص جس کی آنکھ بند ہو کسی کے ساتھ محبت کا عہد باندھ لینا بے وقوفی تھا کیونکہ اس عہد کی گرہ، بند آنکھ کی طرح رہی کبھی کھل نہ سکی اُسلجھ نہ سکی۔

آتش افروزیِ یک شعلۂ ایما تجھ سے
چشمک آرائیِ صد شہر چراغاں مجھ سے

تو ایک اشارہ کرتا ہے اور میں سو شہر چراغاں کر دیتا ہوں یعنی آگ لگا دیتا ہوں۔ یہ ایسی مثال ہے جیسے کوئی ایک شعلہ فراہم کرے اور اس شعلے سے سینکڑوں چراغ جلائے جائیں۔ یار اپنی اداؤں سے یہ شعلہ بھڑکاتا ہے اور اس سے میں سینکڑوں داغ جلا کر چراغاں کرتا ہوں چشمک آنکھ کے اشارے کو کہتے ہیں۔ چراغ کی روشنی چشمک کی طرح ہوتی ہے۔ سو چراغاں کی چشمک آراستہ کرنا یعنی سو چراغ روشن کرنا۔

سہ اے اسدؔ، دسترسِ وصلِ تمنا معلوم — کاش ہو قدرتِ برچیدنِ داماں مجھ سے

دسترسِ وصلِ تمنا : تمنا کی دسترسِ وصل۔ برچیدنِ داماں : دامن اُٹھا لینا۔ اے اسد میری تمنا کو وصل کی قدرت تو ہو نہیں سکتی۔ کاش میرے پاس سے دامن اُٹھانے کی قدرت ہو جائے۔ یعنی کاش تمنائے وصل میرے دل سے اپنا ڈیرہ اُٹھا لے۔

(۱۸۵)

بسکہ حیرت سے زپا افتادۂ زنہار ہے
ناخنِ انگشت تبخالِ لبِ بیمار ہے

ایک محاورہ ہے : انگشت حیرت بہ دہن داشتن۔ حیرت کی کثرت دکھانے کا طریقہ ہے۔ دوسرا محاورہ ہے انگشتِ زنہار : غالب شخص کے روبرو پناہ چاہنے کے لئے انگشتِ شہادت اُٹھانا۔ از پا افتادہ : عاجز، بے ہوش۔ تبخال : بخار میں ہونٹوں پر چھالے پڑ جاتے ہیں جس کے بعد بیماری ٹھیک ہو جاتی ہے۔ اب شعر کے معنی دیکھئے۔ عشق کے بیمار نے محبوب کے حسن کو دیکھا حیرت کی وجہ سے اُنگلی دانتوں میں دبائی۔ حیرت کی اتنی کثرت اور شدت تھی کہ عاشق نے اس سے امان چاہی اور اس کی اُنگلی کا ناخن زنہار خواہی کی وجہ سے عاجز

ہو کر تھڑے سے لیٹ گیا۔ عموماً پاؤں سے گرنے پر زمین پر لوٹتے ہیں لیکن چونکہ اُنگلی دہن میں ہے اس لئے ناخن ہونٹوں پر لیٹ گیا اور وہاں اس طرح جم گیا کہ تبخالِ لبِ بیمار معلوم ہونے لگا۔ اس طرح ناخنِ انگشت کا ہونٹ پر ہونا حیرت، زنہار خواہی اور عاجزی تین باتوں کی علامت ہے۔

زلف سے شب درمیاں دادن نہیں ممکن دریغ
ورنہ صد محشر بہ رہنِ جلوۂ رخسار ہے

شب درمیاں : اس محاورے کے دو معنی ہیں رات کو درمیان میں دے کر کوئی وعدہ کرنا یعنی رات کی قسم کھانا دوسرے اتنی مسافت جسے طے کرنے میں رات درمیان میں آجائے۔ شعر میں دونوں معنی لئے جا سکتے ہیں (۱) ہم زلفِ محبوب سے شب درمیاں دے کر قول و قرار نہیں کر سکتے کہ وہ ہم سے قرب پر راضی ہو جائے۔ اگر زلف ہم سے مان جائے تو دیدارِ رخسار بھی نصیب ہو جائے گا اور اس رخسار کے جلوے میں سو محشر پوشیدہ ہیں یعنی قیامت کا جلوہ ہے (۲) رخسارِ محبوب تک رسائی کی مسافت میں زلف کی شب حائل ہے۔ اسے طے کرنا ممکن نہیں۔ اگر کر سکتے تو جلوۂ رخسار دیکھتے جو صد محشر بدوش ہے۔ پہلے معنی بہتر ہیں۔ زلف کی رعایت سے شب درمیاں کا محاورہ لائے ہیں۔

در خیال آبادِ سودائے سرِ مژگانِ دوست
صد رگِ جاں، جادہ آسا، وقفِ نشتر زار ہے

محبوب کی حسین پلکوں کے سودا نے ایک شہر آباد کر دیا جو خیال آباد یعنی خیال کا شہر ہے جس طرح شہر کی سڑکوں میں کانٹے پڑے رہتے ہیں اسی طرح خیال آباد میں رگِ جاں (ایک نہیں سینکڑوں) سڑکوں کی طرح ہیں جو نشتروں کے لئے وقف ہیں۔ نشتر ہے تصورِ مژگاں جو سڑک کے کانٹے کا قائم مقام ہے۔ یعنی محبوب کی پلکوں کے تصور میں رگِ جاں میں نشتر چبھ رہے ہیں۔

بسکہ ویرانی سے کفر و دیں ہوئے زیر و زبر
گردِ صحرائے حرم تا کوچۂ زنار ہے

آسی نے اس شعر کے معنی میں ویرانی کا کوئی سبب نہیں دیا حالانکہ شاعر نے کفر و دیں کو بے وجہ ویران نہیں کہا۔ صحرا میں گرد اُڑنا ویرانی کی علامت ہے۔ کوچۂ زنار : زنار کا دائرہ یعنی خود زنار۔ کعبے میں پہلے بُت رکھے تھے بڑی رونق تھی۔ بتوں کو وہاں سے نکال دیا گیا گویا کفر

میں ویرانی ہوگئی۔ ساتھ ہی خانۂ کعبہ سے بتوں کے نکلنے سے رونق جاتی رہی اس لئے صحنِ حرم ویران ہوگیا۔ اگر صحنِ حرم کو ایمان کی نشانی مان لیا جائے تو ایمان میں بھی ویرانی کا عالم ہوگیا۔ گویا حرم سے لے کر زنار داربت پرستوں تک ویرانی ہی ویرانی ہے۔

اے سرِ شوریدہ، ذوقِ عشق و پاسِ آبرو!
جوشِ سودا کب حریفِ منتِ دستار ہے

سر پر پگڑی بندھا ہونا آبرو کی علامت ہے۔ اے سرِ دیوانہ! عشق میں آبرو کا پاس کیا معنی؟ سودائیت کب دستار کے احسان کا بوجھ گوارا کرتی ہے۔

وصل میں دل انتظارِ طرفہ رکھتا ہے مگر
فتنہ تاراجِ تمنّا کے لئے درکار ہے

وصل میں تمنائیں پوری ہو جاتی ہیں اور انتظار ختم ہو جاتا ہے۔ شاعر نے مضمون پیدا کیا ہے کہ وصل میں بھی انتظار رہتا ہے اور وہ عجیب انتظار ہے۔ تمنا کا ختم ہونا دو طرح ممکن ہے ایک تو یہ کہ وہ پوری ہو جائے دوسرے یہ کہ کوئی اتنا ستم کرے کہ مایوسی کی وجہ سے تمنا درہم برہم ہو کر ختم ہو جائے۔ عاشق کو انتظار ہے کہ وصل میں تمنا دوسری طرح ختم ہوگی۔ محبوب کوئی فتنہ بپا کرے گا دل کو انتظار ہے کہ دیکھیے کس فتنے کے ذریعے تمنا برباد ہوتی ہے۔

شعر کے ایک اور معنی ہو سکتے ہیں۔ ہماری زندگی میں ہر خوشی کے بعد کوئی مصیبت یا فتنہ ظاہر ہوتا ہے۔ وصل میں تمنا سر سبز و بالیدہ ہے۔ میں ڈر رہا ہوں کہ دیکھیے ہماری کامرانی کو برباد کرنے کے لئے کون سا فتنہ ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی چین کے لمحات میں بھی ناگہانی آفات کا دھڑکا رہتا ہے۔

خانماں ہا، پائمالِ شوخیِ دعویٰ، اسدؔ
سایۂ دیوار، سیلابِ در و دیوار ہے

کوئی اکڑ کر دعویٰ کرتا ہے کہ میری دیوار کو کوئی سیلاب نہیں گرا سکتا یہ دیوار ہمیشہ مضبوطی سے کھڑی رہے گی اور گھر کے اندر کا مال اسباب سلامت رہے گا۔ دراصل یہ دعویٰ یہ نخوت ہی انہدامِ خانہ کا باعث بنتی ہے اور خانماں کو برباد کرتی ہے۔ سایۂ دیوار استقامتِ دیوار کی نشانی ہے لیکن کب تک کبھی نہ کبھی سو پچاس سال میں سہی دیوار گرے گی ہی اور یہ سایۂ دیوار ہی سیلابِ دیوار ثابت ہوگا۔

سیلاب اور سایہ دونوں دیوار کی تہہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۱۸۶)

تغافل مشربی سے، ناتمامی بسکہ پیدا ہے
نگاہِ نازِ چشمِ یار میں زنّارِ مینا ہے

زنّارِ مینا: بوتل نصف بھری ہو اور نصف خالی ہو تو خطِ مے کو زنّارِ مینا کہتے ہیں۔

تغافل شیوہ محبوب کی نگاہیں بھی سامنے جانے کی بجائے آنکھوں کے بیچ رک جاتی ہیں۔ جس سے زنّارِ مینا کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ زنّارِ مینا علامت ہے بوتل کے پورا نہ بھرے ہونے کی جو ایک نقص ہے اس لئے نگاہِ تغافل بھی چشمِ یار کے لئے نقص ہے۔

تصرف وحشیوں میں ہے تصور ہائے مجنوں کا
سوادِ چشمِ آہو، عکسِ خالِ روئے لیلیٰ ہے

وحشی جانوروں میں ابھی تک مجنوں کے خیالات کا غلبہ ہے۔ وحشیوں کا بہترین نمائندہ ہے ہرن۔ مجنوں کو ہرن کی آنکھیں لیلیٰ کی آنکھوں سے مشابہ نظر آتی تھیں اب بھی ہرن کی آنکھ کی سیاہی لیلیٰ کے خالِ رُخ کا عکس معلوم ہوتی ہے۔

محبت، طرزِ پیوندِ نہالِ دوستی جانے
دویدن، ریشہ ساں، مفت رگِ خوابِ زلیخا ہے

خوابِ زلیخا: ناکتخدائی میں زلیخا کو خواب میں حضرت یوسف دکھائی دئے تھے زندگی میں آخرِ کار ان کی رفاقت نصیب ہوگئی۔ رگِ خواب ایک محاورہ ہے لیکن یہاں وہ مراد نہیں ایک پیڑ کی دوسرے میں پیوند لگائی جاتی ہے تو ایک کا ریشہ دوسرے میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور دونوں ایک جان ہو جاتے ہیں۔ محبت بھی دوستی کے پودے کی پیوند لگانا جانتی ہے زلیخا کے خواب کی رگ ریشہ کی طرح بڑی آسانی سے دوڑتی ہے اور اپنے مقصود یعنی محبوب سے جا ملتی ہے۔ مُفت بمعنیٰ بغیر کسی دقت کے۔

کیا یکسر گدازِ دل نیازِ جوششِ حسرت
سویدا، نسخۂ تہہ بندیِ داغِ تمنّا ہے

تہہ بندی: رنگ ریز اصل رنگ سے پہلے دوسرے رنگ کا استر لگاتے ہیں اسے تہہ بندی کہا جاتا ہے۔ ہم نے حسرت کی خاطر دل کو بالکل پگھلا دیا۔ چنانچہ پگھلا ہوا سویدا داغِ دل کے لئے تہہ بندی کی طرح ہے۔ سویدا کالا ہوتا ہے۔ دل پر یہ سیاہی لگائی گئی تاکہ اس کے اوپر داغِ

ناکامیِ تمنا کا رنگ چڑھایا جا سکے۔ جس رنگ کا استر سویدا کی طرح سیاہ ہوگا وہ رنگ (داغ) خود کتنا سیاہ ہوگا۔

ہجومِ ریزشِ خوں کے سبب رنگ اُڑ نہیں سکتا
حنائے پنجۂ صیاد، مرغِ رشتہ بر پا ہے

حسین صیاد نے بہت سے پرندوں کا خون بہایا۔ اس کی وجہ سے ہاتھ کی مہندی کا رنگ نہیں اُڑ سکتا۔ خون سے لال ہوتا رہتا ہے چونکہ رنگِ حنا اُڑ نہیں سکتا اس کے معنی یہ ہوئے کہ خود حنا مرغِ اسیر کی طرح ہے۔ مرغِ رشتہ بر پا: وہ چڑیا جس کے پاؤں میں رسّی بندھی ہو اور جو اُڑنے سے معذور ہو۔

اسدؔ گر نام والائے علی تعویذِ بازو ہو
غریقِ بحرِ خوں، تمثال در آئینہ رہتا ہے

غریقِ بحرِ خوں: لفظی معنی خون کے سمندر میں ڈوبنے والا مجازاً درد و مصیبت میں ڈوبا ہوا۔ اسدؔ اگر کوئی علی کے نام کا تعویذ بازو پر باندھے ہو تو بحرِ خوں میں ڈوبنے پر بھی اس طرح محفوظ رہے گا جیسے آئینے کے پانی میں عکس خشک رہتا ہے یعنی نامِ علی مصائب سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۱۸۷)

اثر سوزِ محبت کا، قیامت بے محابا ہے
کہ رگ سے سنگ میں تخمِ شرر کا ریشہ پیدا ہے

سوزِ محبت کا اثر بے نہایت ہے۔ اس نے پتھر کو بھی سوز میں مبتلا کر دیا۔ رگِ سنگ وہ ریشہ ہے جو تخمِ شرر کے پھوٹنے سے پیدا ہوتا ہے۔ کسی بیج کو بویا جائے تو اس میں سے ریشہ نکلتا ہے۔ پتھر میں تخمِ شرر بویا گیا اور وہ پھوٹ کر رگِ سنگ کی شکل اختیار کر رہا ہے یعنی اس کی ہر رگ میں شرر کا بیج بھرا ہوا ہے۔

نہاں ہے گوہرِ مقصود جیبِ خود شناسی میں کہ یاں غواص ہے تمثال اور آئینہ دریا ہے
مقصود کا موتی خود شناسی کی جیب (گریبان کے اندر کی جیب) میں موجود ہے۔ آئینے کو دریا سمجھئے۔ اس میں انسان کی شکل غوطہ خور ہے جو خود شناسی کا موتی لے آتی ہے۔ آئینے میں شکل دیکھنے سے اپنے بارے میں آگاہی ہو جاتی ہے۔

عزیزو، ذکرِ وصلِ غیر سے مجھ کو نہ بہلاؤ
کہ یاں افسونِ خواب، افسانۂ خوابِ زلیخا ہے

افسونِ خواب: وہ منتر جسے پڑھنے سے حریف کو نیند آجائے یا بے ہوشی طاری ہو جائے۔ عزیزو! تم مجھے یہ کہہ کر نہ بہلاؤ کہ "محبوب تیری طرف توجہ نہیں کرتا تو اسے چھوڑ اور بہت سے حسین ہیں ان سے دل لگا کے بآسانی وصل نصیب ہوگا۔ دیکھتا نہیں کہ زلیخا نے ناکتخدائی میں حضرت یوسف کو خواب میں دیکھا ان پر عاشق ہوئی لیکن بعد میں ایک غیر یعنی عزیزِ مصر سے شادی کی اور اس سے واصل ہوئی۔ تو بھی کسی دوسرے سے وصل کے لئے کیوں نہیں آمادہ ہو جاتا۔" رہنے دو اپنے زلیخا اور خوابِ زلیخا کے قصے کو۔ اسے سُننے سے تو مجھے نیند آتی ہے۔

دوسرے مصرع کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ تم مجھے زلیخا کا قصہ غیر سے شادی کرنے کی مثال کے طور پر سنا رہے ہو مجھے خوابِ زلیخا کا قصہ تحریک ہے خواب لانے کی تاکہ میں کم از کم خواب میں محبوب کا دیدار کر سکوں۔

تصورِ بہرِ تسکینِ تپیدن ہائے طفلِ دل
بہ باغِ رنگ ہائے رفتہ، گل چینِ تماشا ہے

جیسے کوئی بچہ تڑپ رہا ہو اور اسے بہلایا جائے اسی طرح دل کو آرام دینے کے لئے تصور گزرے ہوئے رنگ و رونق کے باغ کی جھلکیاں دکھا رہا ہے یعنی ماضی میں محبوب کے ساتھ جو اچھے لمحے گزرے ہیں ان کی یاد کر کے دل کو بہلا رہا ہوں۔

بہ سعیِ غیر ہے، قطعِ لباسِ خانہ ویرانی
کہ تارِ جادۂ رہ، رشتۂ دامانِ صحرا ہے

قطعِ لباس سے یہاں نہ صرف کپڑے کا قطع کرنا بلکہ سینا بھی مراد لیا ہے گویا قطعِ لباس بمعنی تیاریِ لباس ہے۔ صحرا خانۂ ویران ہے۔ اس نے خانہ ویرانی کا لباس تیار کرانا چاہا۔ اس لباس کے دامن میں جادے کے تار نے دھاگے کا کام کیا۔ جادے کو تار سے تشبیہ دی اور پھر اس دھاگے سے جس سے دامن سیا جائے۔ چونکہ جادہ صحرا کے لئے غیر ہے اس لئے صحرا نے دامنِ خانہ ویرانی کی تیاری میں غیر سے مدد لی۔

مجھے شب ہائے تاریکِ فراق، شعلہ رویاں ہیں
چراغِ خانۂ دل، سوزشِ داغِ تمنا ہے

سارا شعر رعایتِ لفظی کا کھیل ہے۔ روشن چہرے والے حسینوں کے فراق کی اندھیری رات میں داغِ تمنا کی جلن میرے دل کا چراغ بنی ہوئی ہے۔ شعلہ رو۔ سوزش۔ داغ اور چراغ میں رعایت ہے۔

سے ترے نوکر ترے در پر اسدؔ کو ذبح کرتے ہیں ستم گر، ناخدا ترس، آشنا کش، ماجرا کیا ہے؟
غالباً اسدؔ نے نوکروں کے روبرو یہ ظاہر کر دیا ہوگا کہ وہ تجھ سے عشق کرتا ہے۔ وہ شعر یاد کیجیے۔

۵ گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے
اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے

(۱۸۸)

بہ بزمِ مے پرستی حسرتِ تکلیف بے جا ہے
کہ جامِ بادہ، کف برلب، بہ تقریبِ تقاضا ہے

بزمِ شراب میں شغلِ مے کرنے کی حسرت دل میں رکھنا مناسب نہیں۔ جامِ شراب تو بار بار تقاضا کر رہا ہے کہ مجھے پیو۔ اس نے اتنا تقاضا کیا کہ بولتے بولتے اس کے ہونٹوں پر جھاگ آ گئے۔ محض حسنِ تعلیل ہے۔

نشاطِ دیدۂ بینا ہے، کو خواب و چہ بیداری
بہم آوردہ مژگاں، روئے بر روئے تماشا ہے

دیدۂ بینا: حقیقت نگر آنکھ۔ روئے بر روئے: رو برو۔ کیا خواب کیا بیداری ہر وقت حقیقت نگر آنکھ کے لئے خوشی ہی خوشی ہے کیونکہ وہ حقیقتِ عالم دیکھتی رہتی ہے۔ جب غور و خوض کے لئے پلکیں بند کر لی جاتی ہیں تو اصلیت کا چہرہ دکھائی دینے لگتا ہے۔ گویا دو پلکوں کا ملنا کسی قابلِ دید منظر کے رو برو ہونا ہے۔ بیداری میں تو تماشا دیکھی ہی جاتا ہے۔ خواب میں بھی تماشا دکھائی دیتا ہے۔ کسی کے روبرو ہونے میں ایک چہرہ اپنا ہوتا ہے ایک فریقِ مقابل کا دو پلکیں بہم ہو کر گویا دو چہرے آمنے سامنے ہو رہے ہیں۔

نگہ معمارِ حسرت ہا، چہ آبادی، چہ ویرانی
کہ مژگاں جس طرف وا ہو، بہ کف دامانِ صحرا ہے

حسرت ویران ہوتی ہے اس لئے صحرا حسرت کی نشانی ہے۔ نگہ حسرت کی تخلیق کرتی ہے آبادی ہو کہ ویرانہ۔ پلک کھول کر جدھر دیکھتے ہیں۔ وسعتِ صحرا ہی دکھائی دیتا ہے یعنی آبادی بھی صحرا کی طرح بے رونق ہو گئی ہے اور یہ وفورِ حسرت کی وجہ سے ہے۔

نہ سووے آبلوں میں گر سرشکِ دیدۂ نم سے
بہ جولاں گاہِ نومیدی، نگاہِ عاجزاں پا ہے

انیسؔ کا ایک شعر یاد کیجیے۔

گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

نگاہ کے پاؤں پیدا کرنا اور ان میں آبلے ڈالنا انیسؔ سے بہت پہلے غالب باندھ چکے ہیں۔ عاجزوں کی نم آلود آنکھ کے آنسوؤں کو آبلوں سے مشابہ کیا ہے۔ پاؤں کا سونا مشہور بات ہے جس کی وجہ سے پاؤں چلنے پھرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ پاؤں میں آبلے ہوں تو بھی یہی کیفیت ہوتی ہے گویا آبلہ پائی پاؤں کا سونا ہی ہے۔ عاجزوں کی نگاہ میدانِ ناامیدی میں جامد ہو کر رہ گئی ہے۔ آنکھ کے آنسوؤں سے نگاہ کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے ہیں گویا اس کا پاؤں آبلوں میں سو گیا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو نگاہ کا پاؤں میدانِ ناامیدی سے چل کر باہر نکل سکتا تھا۔ یعنی اگر آنسو نہ بہائے جائیں خواہ مخواہ قنوطی نہ ہوں تو امید کا چہرہ دکھائی دے سکتا ہے۔

بہ سختی ہائے قیدِ زندگی، معلوم آزادی
شرر بھی صیدِ دامِ رشتۂ رگ ہائے خارا ہے

زندگی کی قید کی سختی سے آزادی ممکن نہیں۔ بظاہر شرر بہت آزاد اور فعال معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی سخت پتھر کی رگوں کے جال میں گرفتار ہے اس لئے حسبِ خواہش رہا نہیں ہو سکتا مرکب خیالی تشبیہ ہے لیکن موزوں ہے۔

اسدؔ یاسِ تمنا سے نہ رکھ امیدِ آزادی
گدازِ ہر تمنا، آبیارِ صد تمنا ہے

تمنا پوری نہیں ہوتی نتیجہ ناامیدی ہے۔ اے اسدؔ یہ نہ سمجھ کہ ایک تمنا پوری نہ ہوئی تو صبر کر کے بیٹھ جائیں آئندہ تو حالات معمول پر ہوں گے۔ انہیں تمناؤں کی ناامیدی سے رہائی اس لئے ممکن نہیں کہ ایک تمنا کا ختم ہونا اس کا پگھل کر ختم ہونا ہے پگھلنے سے جو پانی پیدا ہوتا ہے وہ سوئی تمناؤں کی آبیاری کر کے انھیں نشو و نما دیتا ہے اور وہ پگھل کر کچھ اور تمناؤں کو جنم دیں گا۔ یعنی ایک تمنا ختم ہوتی ہے تو دوسری تمنائیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس طرح ناامیدی کی ایک زنجیر ہے۔

(۱۸۹)

بہ ذوقِ شوخیِ اعضا، تکلّف بارِ بستر ہے
معافِ پیچ و تابِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے

اعضا میں شوخی (بے چینی اور شرارت) کی وجہ سے بستر پر تکلّف ممکن نہیں بلکہ بے تکلّفی سے لوٹا پوٹا جائے گا۔ اب اگر بستر کا ہر تار پیچ و تاب کھائے تو وہ قابلِ معافی ہے کیونکہ یہ صاحبِ بستر کے اضطراب کا نتیجہ ہے۔

معمائے تکلّف، سر بمہرِ چشم پوشیدن
گدازِ شمعِ محفل، پیچشِ طومارِ بستر ہے

شعر کسی قدر اُلجھا ہوا ہے لیکن ذیل کی تشریح سے صاف ہو جائے گا۔

معمّا: چھپی ہوئی چیز۔ تکلّف: اپنے اوپر تکلیف اُٹھانا۔ سر بہ مہر: مہر بند۔ سر بمہرِ چشم آنکھ کی مہر لگی ہوئی۔ طومار: لمبی دستاویز یا چٹھی۔ دستاویز کو تہ کر کے (پیچش کر کے) شمع کی مدد سے مہر کرتے ہیں۔ عاشق محفل میں بیٹھا رہا۔ شمع پگھلتی رہی گویا اس سے کسی نامے کو مہر کرنی ہے جب وہ پگھل کر ختم ہو گئی تو محفل برخاست ہو گئی اور عاشق نے اپنی آنکھوں پر مہر لگا لی یعنی آنکھیں بند کر کے بستر میں پوشیدہ ہو گیا۔ بستر کے اندر اس کی کیا کیفیت ہے وہ سب سے پوشیدہ ہے جس طرح کسی بند سر بہ مہر دستاویز کے مضمون کا کسی کو علم نہیں ہوتا۔ دراصل اس میں عاشق تڑپ رہا ہے یعنی بستر معمائے تکلّف ہے تکلیف کو چھپانے کی چیز۔ بستر کو طومار سے تشبیہ دی۔

دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ شمعِ محفل سے مُراد سونے کے کمرے کی شمع لی جائے اور پیچشِ طومارِ بستر سے مراد رات گذرنے پر بستر کا لپٹنا۔ عاشق جب تک بستر پر رہا شمع کو روشن رکھا صبح کو شمع پگھل کر ختم ہوئی۔ بستر لپیٹ دیا گیا اور عاشق کی تکلیف پوشیدہ رہی۔ اس نے اپنا بھید اپنی آنکھوں کی مہر لگا کر پوشیدہ رکھا۔ اس صورت میں سر بہ فتحہ ہونے کی بجائے سِر بکسرہ بمعنی راز بھی ہو سکتا ہے۔ اس معنی میں قباحت یہ ہے کہ سونے کے کمرے کی شمع کو شمعِ محفل نہیں کہنا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ سر بہ مہرِ چشم پوشیدن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنکھیں بند کر لیں۔ یہ سونے سے پہلے کی کیفیت ہونی چاہیئے جیسا کہ رات کو گیارہ بارہ بجے ہوا ہو گا۔ صبح کے وقت بیدار ہونے کو سر بہ مہرِ چشم کہنا مناسب نہیں۔ ہاں سِر بہ کسرہ ممکن ہے۔ پہلے معنی زیادہ قرینِ قیاس ہیں۔

مژہ فرشِ رہ و دل ناتوان و آرزو مضطر
بہ پائے خفتہ، سیرِ وادیِ پُرخارِ بستر ہے

سوئے ہوئے پیر سے کسی وادی کی سیر کرنا اس وادی میں کسی ایک مقام پر رہ جانا ہے۔ ہم بستر پر پڑے ہیں پلکیں نیچے کو جھکی ہیں دل کمزور ہے آرزو مایوس اور بے چین ہے اس طرح بستر کی وادیِ پُرخار کی سیر ہو رہی ہے یعنی بستر پر ہمیں آرام نہیں مل رہا بلکہ اضطراب ہی اضطراب ہے۔ بستر کو تارہائے بستر کی وجہ سے پُرخار قرار دیا ہے۔

(۱۹۰)

بہ پاسِ شوخیِ مژگاں، سرِ ہر خار سوزن ہے
تبسّم برگِ گل کو بخیۂ دامن نہ ہو جائے

سوئی کے دو کام ہوتے ہیں ایک ناخوشگوار یعنی چُبھنا۔ دوسرا خوشگوار یعنی کپڑے سینا۔ یہاں دوسرا ہی پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ محبوب کی پلکیں اور کانٹا دونوں سوئی کی طرح ہوتے ہیں۔ پلکیں بھی چاکِ دامن کو سیتی ہیں یعنی شوریدگی میں آسودگی بخشتی ہیں۔ ان کی تقلید میں کانٹا بھی وہی کام کر رہا ہے۔ کلی نے تبسّم کیا۔ اس کی پنکھڑیاں پھیل گئیں۔ یعنی دامن چاک ہو گیا۔ پاس میں کانٹا تھا۔ پنکھڑیاں کانٹے تک پہنچ گئیں۔ اب یہ ممکن ہے کہ محبوب کی پلکوں کا لحاظ کر کے کانٹا پھول کے چاک شدہ دامن میں بخیہ کر دے۔ پنکھڑیوں میں کانٹے کا چبھنا ناخوشگوار فعل ہے لیکن شاعر نے اسے خوشگوار بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

جراحت دوزیِ عاشق ہے جائے رحم ڈرتا ہوں
کہ رشتہ تارِ اشکِ دیدۂ سوزن نہ ہو جائے

عاشق کا زخم سینے میں اس کو تکلیف ہوتی ہو گی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ ٹانکے لگانے والی سوئی کی آنکھ میں دھاگا آنسوؤں کا تار نہ بن جائے یعنی خود سوئی کو اس کے حالِ زار پر رونا نہ آنے لگے۔ زخم کے سینے کو جائے رحم کہنے کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہی سامنے کی کہ زخم کی خراب حالت کے پیشِ نظر ٹانکے لگانے سے درد ہو گا دوسری اور بہتر وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ہمارے سر پھرے عاشق زخم کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کے علاج سے دُکھی ہوتے ہیں اس لئے زخم کی سلائی ان پر بڑا ظلم ہے۔

غضب شرم آفریں ہے رنگ ریزی ہائے خود بینی
سفیدی آئینے کی پنبۂ روزن نہ ہو جائے

خوب شعر کہا ہے۔ شرم آفریں: حیا پیدا کرنے والی۔ رنگ ریزی ہائے۔ خود بینی: میک اپ کرنا۔ پنبۂ روزن: کمرے کے سوراخ میں کوئی عاشق جھانک کر نہ دیکھ لے اس لئے سوراخ میں روئی ٹھونس دی جائے۔ آئینے کے سامنے بیٹھ کر محبوب اپنے چہرے پر طرح طرح کے رنگ و غازہ لگاتا ہے اور اس کے بعد اسے چاہنے والوں کے سامنے ہونے سے حیا آنے لگتی ہے اس لئے کواڑوں کے چھید میں روئی ٹھونستا پھرتا ہے۔ اس طرح خود آرائی میں مدد دینے والے آئینے کی سفیدی روزن کی روئی بن جاتی ہے۔

(۱۹۱)

دل سراپا وقفِ سودائے نگاہِ تیز ہے
یہ زمیں، مثلِ نیستاں سخت ناوک خیز ہے

دل کو محبوب کی نگاہِ تیز کا مورد ہونے کا سودا ہے۔ جیسے بانسوں کا جنگل تیر پیدا کرنے والا ہوتا ہے اسی طرح میرا دل تیروں کا مقام ہے۔ محبوب کی نگاہ تیر کی طرح ہے چونکہ دل پر کڑی نگاہیں پڑتی ہیں اس لئے یہ ناوک زار ہے۔

ہو سکے کیا خاک دست و بازوئے فرہاد سے
بیستوں، خوابِ گرانِ خسروِ پرویز ہے

خسرو نے فرہاد سے کہا تھا کہ تو بیستوں کاٹ دے تو شیریں تیرے حوالے کر دوں گا۔ فرہاد نے تراش دیا لیکن پھر بھی ناکام رہا۔ فرہاد کا دست و بازو کیا کر سکتا تھا۔ اس کی راہ میں بیستوں تھوڑا حائل تھا۔ در اصل سنگِ راہ تھا خسرو کا خوابِ گراں یعنی اس کی طرف سے غفلت کی گہری نیند۔ وہ اصل بیستوں تھا جو فرہاد کے دست و بازو سے کٹنے والا نہ تھا۔

ان ستم کیشوں کے کھائے ہیں زلبس تیرِ نگاہ
پردۂ بادام یک غربالِ حسرت بیز ہے

ان ستم کیشوں: ظالم حسینوں۔ پردۂ بادام: بادام کا چھلکا جس میں بہت سے سوراخ ہوتے ہیں۔ بادام آنکھ کی پتلی سے مشابہ ہوتا ہے۔ حسینوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ بادام ان کی آنکھ کی برابری کر رہا ہے تو وہ بہت خفا ہوئے اور اس پر تیرِ نگاہ چلائے جس کے نتیجے میں اس کا چھلکا چھلنی کی طرح سوراخ سوراخ ہو گیا۔ ایسی چھلنی جو حسرت کو چھان رہی ہے یعنی جو حسینوں کے مقابلے میں اپنے نقص کو دیکھ کر مایوس ہے۔

خوں چکاں ہے جادہ، مانندِ رگِ سودائیاں
سبزۂ صحرائے الفت، نشترِ خوں ریز ہے

کسی کو سودا ہوتا ہے تو اس کی رگ میں نشتر سے فصد دے کر خون نکالتے ہیں۔ الفت کے جنگل کا راستہ بھی اسی طرح خوں چکاں ہے۔ اس جنگل میں جادے کے برابر جو سبزہ ہے وہ گویا نشتر ہے جو جادے کو فصد دے کر خون نکالتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محبت میں خوں چکانی ہی خوں چکانی ہے۔

ہے بہارِ تیز رو، گلگونِ نکہت پر سوار
یک شکستِ رنگِ گل، صد جنبشِ مہمیز ہے

گلگوں: گھوڑا۔ شکستِ رنگ: رنگ اڑنا۔ بہار بڑی تیزی سے چلی جاتی ہے۔ یہ خوشبو کے تیز گھوڑے پر سوار ہے۔ پھول کا رنگ جیسے ہی ذرا ٹوٹتا ہے یہ بہار کو مہمیز کا کام کرتا ہے۔ اور وہ اڑنچھو ہو جاتی ہے پھول کے رنگ و رونق میں کمی آئی اور بہار غائب۔

(۱۹۲)

ترجبیں رکھتی ہے شرمِ قطرہ سامانی مجھے
موجِ گردابِ حیا ہے، چینِ پیشانی مجھے

چونکہ میری بساط میں محض ایک قطرہ ہے اس لئے اپنی کم مائگی پر میں شرمندہ رہتا ہوں میری پیشانی کا سکوڑ شرم و ندامت کے گرداب کی لہر ہے۔

ترجبیں، قطرہ سامانی، موج، گرداب میں تلازمہ ہے۔

شبنم آسا کو مجالِ سبحہ گردانی مجھے؟
ہے شعاعِ مہر، زنّارِ سلیمانی مجھے؟

سلیمانی: ہرے میں ایک خط ہوتا ہے جسے زنّارِ سلیمانی کہتے ہیں۔ ان مہروں کی تسبیح کو تسبیحِ سلیمانی کہا جاتا ہے۔ شبنم کے قطرے تسبیح سے مشابہ ہوتے ہیں لیکن شعاعِ مہر سے جلتے رہتے ہیں۔ شعر کے دو معنی ممکن ہیں (۱) شبنم کی طرح مجھے بھی تسبیح گردانی ممکن نہیں۔ تسبیحِ سلیمانی کا زنّار میرے لئے شعاعِ مہر کی طرح ہے اور شعاعِ مہر کو کون گھما سکتا ہے اس لئے میں زنّارِ سلیمانی کے سامنے سبحہ گردانی سے معذور رہ جاتا ہوں۔ (۲) شبنم سبحہ گردانی کرے اسے مبارک ہو۔ میں نہیں کر سکتا۔ میرے لئے تو شعاعِ مہر ہی زنّارِ سلیمانی یعنی تسبیحِ سلیمانی ہے۔ میں شعاع

مہر کے مشاہدے ہی سے ادراکِ معرفت کرلیتا ہوں کسی اور تبیح کی ضرورت نہیں۔

شعر کے دو معنی اس پر منحصر ہیں کہ مصرعِ ثانی میں "وہ ہے" کا مبتدا اشعاعِ مہر کو مانا جائے کہ زنارِ سلیمانی کو۔ دوسرے معنی بہتر ہیں۔

بلبلِ تصویر ہوں بے تابِ اظہارِ تپش
جنبشِ نالِ قلم، جوشِ پرافشانی مجھے

بلبلِ تصویر اپنے دل کی تڑپ کو ظاہر کرنے کو بے چین رہتی ہے لیکن نہیں کرسکتی۔ وہی میرا حال ہے۔ قلم کے ریشہ کا چلنا میرے لئے پرواز کرنے کا جوش اور اُمنگ دیتا ہے لیکن نہیں کرسکتا یعنی اشعار میں اپنے دل کی کیفیت کو پوری طرح ظاہر نہیں کرسکتا۔ پہلے مصرع کی نثر ہوئی۔ (میں) بے تابِ اظہارِ تپش، بلبلِ تصویر ہوں۔

ضبطِ سوزِ دل ہے وجہِ حیرتِ اظہارِ حال
داغ ہے مہرِ دہن، جوں چشمِ قربانی مجھے

چونکہ میں نے سوزِ دل کو ضبط کیا ہے اس لئے اظہارِ حال کو حیرت ہے یعنی میں اظہارِ حال نہیں کر رہا ہوں۔ ضبط کی وجہ سے میرے جسم پر جو داغ نمایاں ہوگیا ہے وہ منہ کی مہر ہوگیا ہے یعنی میں کچھ بول نہیں رہا ہوں۔ یہ داغ ایسا ہے جیسے مذبوح جانور کی آنکھ کہ وہ کچھ بولتی نہیں لیکن اپنے اندر بہت کچھ رکھتی ہے۔

شوخ ہے مثلِ حباب از خویش بیروں آمدن
ہے گریباں گیرِ فرصت، ذوقِ عریانی مجھے

از خویش بیروں آمدن: از خود رفتہ ہونا۔ حباب کی طرح از خود رفتہ و برہنہ ہونے میں ایک شوخی ہے لیکن میرا ذوقِ عریانی فرصت سے شاکی ہے یعنی عمر اس قدر مختصر ہے کہ اس میں شوق کیونکر پورا کیا جائے۔ گریباں گیر ہونا: شکوہ کرنا۔ فرصت کی کمی زندگی کے آنی و فانی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ حباب کی زندگی بھی تو ایسی ہی مختصر ہے۔

وا کیا ہرگز نہ میرا عقدۂ تارِ نفس
ناخنِ بریدہ ہے تیغِ صفاہانی مجھے

صفاہان یا اصفہان کی تلوار مشہور ہے۔ اس تلوار نے میرے سانس کی گرہ کو نہ کھولا گویا تلوار میرے لئے کٹے ہوئے ناخن کی طرح نکمّی ثابت ہوئی۔ اُنگلی میں لگا ہوا ناخن

گرہ کھولتا ہے۔ کاٹ کر پھینکا ہوا ناخن مردہ ہوتا ہے اس میں اور تلوار میں مشابہت ہے۔ سانس کی گرہ کھولنا یعنی سانس کو ختم کردینا۔ شاعر کو شکوہ ہے کہ تلوار نے مجھے قتل نہیں کیا۔

ہوں ہیولائے دو عالم صورتِ تقریر اسدؔ
فکر نے سونپی خموشی کی گریبانی مجھے

نسخۂ عرشی میں دو عالم کے بعد وقفے کا نشان ہے۔ میری رائے میں نہیں ہونا چاہیئے۔ ہیولا: ہیئتِ اولیٰ یعنی وہ مادّہ جس سے کوئی چیز بنائی۔ دو عالم: بہت زیادہ یہاں یہ محض مقداری فقرہ ہے۔ دو عالم صورتِ تقریر: بہت زیادہ تقریر۔ گریبانی: صدری یا واسکٹ جیسا ایک لباس جس میں آستین اور دامن نہیں ہوتے اور جو قبا کے اوپر زیبائش کیلئے پہنا جاتا ہے۔ تقریر کا ہیولیٰ خاموشی ہوتا ہے کیونکہ تقریر سے پہلے خاموشی ہوتی ہے۔ شعر کے معنی ہیں کہ اے اسد میں بہت سی تقریر کا ہیولیٰ ہوں یعنی صلاحیت رکھتا ہوں۔ کثرتِ افکار نے مجھے خاموشی کی گریبانی دی ہے یعنی میں نے خاموشی کو اپنی زیبائش کی شے قرار دیا ہے۔ ورنہ جب میں بولنے پر آؤں گا تو بولتا ہی رہوں گا۔ چونکہ نطق کا مقام گریبان و صدر ہے اس لئے خموشی کو گریبانی کہا۔

(۱۹۳)

صبح ناپید ہے کلفت خانۂ ادبار میں
توڑنا ہوتا ہے رنگِ یک نفس ہر شب مجھے

رنگ شکستن کے معنی ہیں رنگ اُڑ جانا۔ چونکہ چہرے کے رنگ اُڑنے کے معنی رنگ کا سفید پڑ جانا ہیں اس لئے شاعر نے رنگ فق ہونے اور صبح ہونے میں ایک وجہِ اشتراک ڈھونڈ لی۔ کہتے ہیں کہ بدبختی کے کلفت خانے میں صبح کہاں ہوتی ہے۔ میں ہر رات اپنے ایک سانس کا رنگ فق کر دیتا ہوں۔ میرے لئے صبح یہی شکستِ رنگِ نفس ہے۔ یعنی دوسروں کے لئے صبح خوشگوار شے ہو سکتی ہے۔ میرے لئے تو یہ زندگی کے کاہیدہ ہونے سے عبارت ہے۔

شوخیِ طالع سے ہوں ذوقِ معاصی میں اسیر
نامۂ اعمال ہے، تاریکیِ کوکب مجھے

میں جو گناہوں کا شوقین ہوں یہ میری بدقسمتی کی وجہ سے ہے۔ میرا تارہ تاریک ہے جس کی وجہ سے میرا نامۂ اعمال بھی تاریک ہے قسمت کے تارے کی سیاہی بدنصیبی کی علامت ہوتی ہے شاعر نے اسے شوخی سے گناہوں کے عمل کا موجب قرار دے دیا۔

ذرہ ذرہ نا پیدا و بے جا تہمت وارستگی
پردہ دلریاوگی ہے وسعتِ مشرب مجھے

وارستگی: آزادی، قید و بند سے رہا رہنا۔ یاوگی: یاوہ پن یعنی بیہودہ طریقے سے زندگی بسر کرنا۔ وسعتِ مشرب: مذہب کے معاملے میں فراخ نظر ہونا، سب عقائد کو احترام کی نظر سے دیکھنا۔ کچھ لوگ مذہبی رسوم کی شدت سے پابندی کرتے ہیں دوسرے لوگ سب مذاہب کو ارفع و اعلیٰ سمجھ کر کسی ایک مذہب کی رسوم پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ ان سے آزاد و وارستہ ہوتے ہیں۔ آخر الذکر روش تین گروہوں کی ہوتی ہے صوفیا، عشاق اور عیاش فاسق و فاجر کہتے ہیں۔ میں وسعتِ مشرب کے شیوہ پر عمل پیرا ہوں لیکن میرے اندر دردِ عشقِ مجاز کا نشان نہیں۔ میں کسی طرح صوفی یا قلندر نہیں اس لئے مجھ پر آزاد و وارستہ ہونے کا الزام رکھا جائے تو صحیح نہیں۔ دراصل میری وسیع المشربی میری بے ہودہ پر معاصی بسر اوقات پر پردہ ڈالنے کی کوشش ہے۔

(۱۹۴)

اسدؔ بہارِ تماشائے گلستانِ حیات
وصالِ لالہ عذارانِ سرو قامت ہے

مشہور شعر ہے۔ زندگی کے باغ کی بہار اسی میں ہے کہ حسینوں کے ساتھ وصال کرو۔ لالہ جیسے گال اور سرو جیسے قد والے حسین۔

(۱۹۵)

شوخیٔ مضرابِ جولاں، آبیارِ نغمہ ہے
برگ ریزِ ناخنِ مطرب، بہارِ نغمہ ہے

تاروں پر دوڑنے والی مضراب کی تیزی نغمے کی آبیاری اور پرورش کرتی ہے مطرب کے ناخن کی خزاں نغمے کی بہار ہے۔ برگ ریز: خزاں آسی نے برگ ریز کے معنی دوڑ دھوپ لکھے ہیں جو درست نہیں۔ بہار اور برگ ریز میں تضاد ہے۔ چونکہ ستار وغیرہ بجانے سے ناخن کا ہیمہ ہو جاتا ہے اس لئے اسے ناخن کی خزاں کہا۔

کس سے اے غفلت، تجھے تعبیرِ آگاہی ملے
گوش ہا سیمابی و دل بے قرارِ نغمہ ہے

سیمابی کے معنی بے قرار کے ہیں لیکن سیماب در گوش کے معنی بہرے کے ہیں۔ اے غفلت تجھے کون آگاہی کا بیان کرے۔ سب لوگوں کے کان بہرے ہیں اور دل نغمے کیلئے بے چین ہے سننے کا خواستگار آگاہی نہیں دے سکتا وہ تو خود مدہوشی کا متلاشی ہے بہرے کان میری بات ہی نہیں سن سکتے۔ اس طرح کوئی آگاہی و دانش مندی کا امین نہیں۔

یہ یقینی ہے کہ گوش ہا سے مراد دوسروں کے کان ہیں۔ ممکن ہے دل سے اپنے دل کی طرف اشارہ ہو۔ میرا دل نغمہ سننے کو بے قرار ہے لیکن یہاں حال یہ ہے کہ لوگوں کی سماعت ہی بے کار ہے۔ ان میں ذوقِ موسیقی معلوم۔ پھر مجھے وہ کس طرح ہوش مندی عطا کر سکتے ہیں اس مفہوم میں سماع کو حقیقت شناسی کا وسیلہ مانا جائے گا۔ پہلے معنی بہتر ہیں کیونکہ دوسرے معنی میں پہلے مصرع کا مفہوم بخوبی چسپاں نہیں ہوتا یعنی دوسروں کے گوش اور دل کا مذکور ہے

سازِ عیش بے دلی ہے خانہ ویرانی مجھے
سیلِ یاں، کوکِ صدائے آبشارِ نغمہ ہے

کوک: سازوں یا مغنیوں کی ملی جلی آوازیں۔ میرے لئے گھر کے برباد ہونے میں بھی ایک عیش کا سامان ہے۔ وہ عیش ہے بے دلی اور مایوسی کا سیلاب آتا ہے جو گھر کو برباد کر دے گا۔ مجھے وہ راگ کے آبشار کی آواز کی طرح معلوم ہوتا ہے آبشارِ نغمہ بڑی اچھی ترکیب ہے۔ ساز کے معنی سامان ہیں۔

سنبلی خواں ہے یہ ذوقِ تارِ گیسوئے دراز
نالۂ زنجیرِ مجنوں، رشتہ دارِ نغمہ ہے

سنبلی: نوائے از موسیقی۔ سنبلی خواں: سنبلی گانے والا۔ اسی طرح کا ایک اور راگ "سنبل گیسو" ہوتا ہے جو بہارِ عجم کے بموجب ہندوستان کا راگ دھناسری ہے۔ مجنوں کو لیلیٰ کے لمبے بالوں کے تار کا ذوق ہے۔ اس کی زنجیر میں سے جو آواز پیدا ہو رہی ہے وہ راگ سنبلی گا رہی ہے۔ چونکہ مجنوں گیسو کا ذوق تھا اور سنبل گیسو سے مشابہ ہوتا ہے اس لئے راگ کا نام سنبلی رکھا۔ نالہ کو نغمہ کا رشتہ دار کہا سنبلی خواں، تار، نالہ اور نغمہ میں رعایت ہے اور دوسری طرف سنبلی تار و گیسو اور رشتہ میں رعایت ہے۔

شوخیٔ فریاد سے ہے پردۂ زنبورِ گل
کسوتِ ایجادِ بلبل، خارِ خارِ نغمہ ہے

پردۂ زنبور : ایک مقامِ موسیقی ہے نیز جالی دار برقع کو کہتے ہیں۔ بلبل کی فریاد سے پھول چھید ہو کر پردۂ زنبور کی طرح ہو گیا یعنی جالا بن گیا۔ بلبل نے یہ کپڑا ایجاد کیا ہے یہ اس کی فریاد کے نغمے سے خار خار ہے یعنی پریشانی میں مبتلا ہے۔ نغمہ اور موسیقی کے پردۂ زنبور میں رعایت ہے۔

غفلت استعداد، ذوق و مدعا غافل، اسدؔ
پنبۂ گوشِ حریفاں، پود و تارِ نغمہ ہے

اسدؔ کا ذوق غفلت استعداد ہے یعنی صرف غفلت کی قابلیت رکھتا ہے۔ اسدؔ مدعا سے غافل ہے۔ یاروں کے کان میں راگ رنگ کا تار و پود غفلت کی روئی بن کر سما گیا ہے یعنی موسیقی کی وجہ سے غفلت میں مبتلا ہیں۔

غالبؔ نے ابراہیم ذوقؔ پر چند اشعار میں در پردہ طنز کیا ہے مثلاً

میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزل خوانی میں
یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

میرا خیال ہے کہ مندرجہ بالا شعر میں ذوق سے مراد ابراہیم ذوقؔ ہے۔ اب شعر کے معنی دیکھئے۔ ذوق صاحب غفلت استعداد ہیں اور اسدؔ مدعا غافل۔ یاروں کے کان میں نغمے سے روئی ٹھونس رکھی ہے۔

(۱۹۶)

خود فروشی ہائے ہستی بسکہ جائے خندہ ہے
ہر شکستِ قیمتِ دل میں صدائے خندہ ہے

انسان غفلت کے عالم میں اپنی ہستی یا اپنا ضمیر دوسروں کے ہاتھ بیچ دیتا ہے لیکن ایسا عمل ہنسنے کا مقام ہے آدمی خود کو فروخت کرتے وقت اپنی ذات کی قیمت جو گھٹاتا ہے وہ بھی افسوس کا مقام ہے "شکست" کے ایک معنی "قیمت کم کرنا" اور دوسرے معنی کسی چیز کا ٹوٹنا۔ ٹوٹتے وقت جو آواز آتی ہے اسے ہنسی کی آواز کہا ہے۔ قیمتِ دل سے مراد قیمتِ ہستی خود ہے۔

نقشِ عبرت در نظرہا، نقدِ عشرت در بساط
دو جہاں وسعت، بقدرِ یک فضائے خندہ ہے

آدمی کے ہاتھ میں نقدِ عیش ہوا تو کیا؟ نقشِ عبرت بھی تو نظر میں ہے جس کی وجہ سے عیش بہت سکڑ اسکڑا مختصر ہو جاتا ہے۔ جسے ہم عیش کی بہت بڑی دنیا اور عشرت کے بہت سے مواقع سمجھتے ہیں وہ اتنی مختصر ہے جتنی ایک ہنسی۔ ہنسی کی فضا زماں و مکاں دونوں کے اعتبار سے مختصر ہوتی ہے۔ دو جہاں کے ایک یہ بھی لطیف معنی ہو سکتے ہیں کہ اس زندگی اور اس دنیا کا عیش اور اس کے بعد دوسری دنیا میں عبرت ناک انجام دونوں مل کر ایک ہنسی سے زیادہ نہیں۔ ہنسے تو عیش ہے۔ ہنسی ختم ہوئی اور عیش ختم یعنی عبرت ہی عبرت

جائے استہزا ہے، عشرت کوشیِ ہستی، اسدؔ
صبح و شبنم، فرصتِ نشو و نمائے خندہ ہے

زندگی میں عیش کی کوشش ہنسی کا مقام ہے۔ صبح کو شبنم گرتی ہے بظاہر عیش ہے لیکن اتنا مختصر جتنی دیر ہنسی کے بالیدہ ہونے اور ختم ہونے میں لگتی ہے۔ صبح کی خندہ سے مناسبت بھی ہے۔

میرا خیال ہے کہ صبح اور شبنم کو ایک ساتھ لے کر شبنم کو صبح کی عشرت کوشی کی علامت قرار دیا جائے۔ آسی نے دونوں کو علیحدہ علیحدہ لیا ہے۔ صبح خود عشرت کوشی ہے اور شبنم بھی عشرت کوشی۔ دونوں کو خندہ سے مشابہ کیا ہے۔ صبح تو خندہ ہے ہی شبنم چونکہ موتی جیسے دانتوں کی طرح ہے اس لئے یہ بھی خندہ ہے۔

(۱۹۷)

عجزِ دیدن ہا بہ ناز و نازِ رفتن ہا بہ چشم
جادۂ صحرائے آگاہی، شعاعِ جلوہ ہے

شعر میں فقروں کی مختلف ترتیب سے ذیل کے معنی نکل سکتے ہیں۔

(۱) شعر کی نثر یہ ہے

عجزِ دیدن ہا، نازِ محبوب کے لئے جادۂ صحرائے آگاہی ہے۔ نازِ رفتن ہا، چشمِ عاشق کے لئے شعاعِ جلوہ ہے۔ عجزِ دیدن ہا سے مراد جلوے کی تیزی کی وجہ سے عاشق کی آنکھ کا چکاچوند ہو جانا اور دیکھنے کے ناقابل ہو جانا۔ عاشق محبوب کا جلوہ دیکھنے کی تاب نہ لا سکا اس سے محبوب کو اپنے حسن سے آگاہی ہوئی۔ محبوب کی رفتار کے ناز سے عاشق نے شعاعِ جلوہ دیکھی۔

(۲) شعر کی نثر یہ ہے

عجزِ دیدن ہا' (نازِ محبوب کے لئے) جادۂ صحرائے آگاہی و شعاعِ جلوہ ہے۔ نازِ رفتن ہا' (چشمِ عاشق کے لئے) جادۂ صحرائے آگاہی و شعاعِ جلوہ ہے۔

یعنی محبوب نے مشاہدہ کیا کہ عاشق اسے دیکھنے کی تاب نہ لایا۔ اس سے محبوب کو اپنے حسن کی شدّت سے آگاہی ہوئی اور اپنے جلوے کی کرن دکھائی دی۔ عاشق کی آنکھ نے رفتارِ محبوب کا ناز دیکھا تو اسے محبوب کی شدّتِ حسن سے آگاہی ہوئی اور محبوب کے جلوے کی ایک کرن دکھائی دی۔

(۳) شعر کی نثر یہ ہے

عجزِ دیدن ہا نازِ محبوب کے لئے بنا ہے اور نازِ رفتن ہا چشمِ عاشق کیلئے بنا ہے۔ اس امر سے آگاہی کا راستہ معشوق اور عاشق دونوں کے لئے شعاعِ جلوہ ہے۔ عاشق کو جلوۂ محبوب کا حریف ہونے میں ناکامی ہوتی ہے اور یہ عدمِ استطاعت ناز کا جی خوش کرنے کیلئے وجود میں آئی ہے۔ محبوب کی رفتار کا ناز عاشق کی آنکھ کے لئے وجود میں آیا۔ ان حقیقتوں سے آگاہی ہونا محبوب اور عاشق دونوں کو جلوۂ حقیقت کی کرن ہے۔ محبوب کو عاشق کے عجزِ دیدار سے آگاہی ہوئی۔ عاشق کو نازِ رفتنِ محبوب سے۔

اگر شعر کے چار حل اجزا کو ا۔ ب۔ ج۔ د قرار دیا جائے تو پہلی تشریح (ا ج) (ب د) ہے۔ دوسری (ا ج) (ا د) (ب ج) (ب د) ہے تیسری (ا ب) (ج د) ہے۔

اختلافِ رنگ و بو، طرحِ بہارِ بے خودی
صلحِ کُل، گردِ ادب گاہِ نزاعِ جلوہ ہے

غالب کا ایک شعر ہے:

ہے رنگِ لالہ و گل و نسریں جُدا جُدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیئے

کچھ ایسا ہی مضمون مندرجہ بالا شعر میں ہے۔ اس میں اختلافِ رنگ و بو کو مذاہب کا اختلاف مان لیں تو شعر کا مضمون بہت اچھی طرح کھُل کر سامنے آجائے گا۔ مختلف مذاہب کا اختلاف ہمیں اپنے مذہب کے بارے میں کٹّرپن سے رہائی دلاتا ہے اور اس طرح اپنے

عقیدے سے پرے ہٹ کر دیکھنے کی بہار کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ نزاعِ جلوہ بمعنی جلوے کا پھیلاؤ۔ ادب گاہ: جائے ادب۔ ادب گاہِ نزاعِ جلوہ: محفلِ ادیان یا بارگاہِ مذاہب۔ تمام عقائد سے صلح کر لینا ادبستانِ جلوہ کی گرد ہے یعنی اس کے نواح میں پہنچ جانا ہے۔ مذاہب سے ہٹ کر اس شعر کے معنی یوں ہو سکتے ہیں کہ دُنیا میں طرح طرح کے مظاہر دیکھ کر آدمی اپنی ذات سے ہٹ کر سوچنا اور دیکھنا سیکھتا ہے۔ تمام مناظر اور مظاہر کو قبول کر لینا مظہرِ جلوۂ حقیقی کے سواد تک پہنچ جانا ہے۔ نزاعِ جلوہ کے معنی اختلافاتِ جلوہ کے بھی لئے جائیں تو بھی ادب گاہِ نزاعِ جلوہ کے معنی جلوہ کی نیرنگیوں کے اظہار کی محترم جگہ ہونگے

حسنِ خوباں بسکہ بے قدرِ تماشا ہے اسدؔ
آئینہ یک دستِ ردِّ امتناعِ جلوہ ہے

دستِ رد: انگشتِ رد کی طرح ہاتھ اُٹھا کر اشارے سے کسی کام سے روکنا۔ آج کل حسینوں کے حُسن کی بے قدری ہے۔ لوگ اس کا تماشا نہیں کرتے۔ آئینہ جو حُسن کی آرائش کر کے جلوہ کی ہمت افزائی کرتا تھا اب حسینوں کو جلوہ کرنے سے روکتا ہے۔ یہ ایک ایسے ہاتھ کی طرح معلوم ہوتا ہے جو منعِ جلوہ فروشی کر رہا ہو۔

حُسن کی بے قدری کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی۔

(۱۹۸)

تمثالِ جلوہ عرض کر، اے حُسن کب تلک
آئینۂ خیال کو دیکھا کرے کوئی

اے حُسن اپنے جلوہ کی تصویر ظاہر کر۔ محض تصور کا آئینہ کب تک جی بہلا سکتا ہے۔

(۱۹۹)

وحشت کہاں کہ بے خودی انشا کرے کوئی
ہستی کو لفظِ معنیِ عنقا کرے کوئی

انشا کرنا: تخلیق کرنا۔ اب وہ وحشت کہاں ہے کہ ہم اپنی ہستی کو بھلا کر بے خودی میں غرق ہو جائیں بہتر ہے کہ ہستی کو فنا ہی کر دیں۔ لفظِ معنیِ عنقا: عدم کے مفہوم کو ظاہر کرنے والا لفظ۔

جو کچھ ہے محوِ شوخیِ ابروئے یار ہے
آنکھوں کو رکھ کے طاق پہ دیکھا کرے کوئی

طاق پہ رکھنا : فراموش کر دینا ۔ دُنیا میں ہر شخص اور ہر شے ابروئے یار کے حُسن کے مشاہدے میں گم ہے ۔ اب ہم آنکھوں کو دُنیا کی ہر شے کی طرف سے ہٹا لیں اور صرف ابروئے یار کو دیکھتے رہیں ۔ ابرو کی تشبیہ طاق سے دی جاتی ہے ۔ اس لئے شاعر کے ذہن میں یہ ہے کہ آنکھوں کو طاقِ ابروئے یار میں رکھ کر دیکھا کریں ۔ چونکہ یہ شعر حقیقت میں ہے اس لئے آنکھوں کو بالائے طاق رکھ کر دیکھنے سے مُراد ہے کہ مظاہر کے پیچھے مشاہدۂ یار چشمِ بصیرت سے کیا جانا چاہیئے ۔

عرضِ سرشک پر ہے فضائے زمانہ تنگ
صحرا کہاں کہ دعوتِ دریا کرے کوئی

آنسوؤں کو پیش کرنے کے لئے زمانے کی فضا ناکافی ہے ۔ جنگل کی پہنائی ہو تو دعوتِ دریا کی جائے ۔ آنسو دریا کی طرح ہیں ۔ انھیں کیونکر اور کہاں بہایا جائے ۔

خوانا نہیں ہے خط ، رقمِ اضطرار کا
تدبیر پیچ تابِ نفس کیا کرے کوئی

ہم نے ایک خط میں اپنے اضطرار کا حال رقم کیا ہے ۔ اپنے سانس کی تڑپ کا بیان کیا ہے لیکن یہ خط پڑھنا مشکل ہے ۔ ہم نے یہ خط محبوب کے پاس بھیجا ہے جب وہ اسے پڑھ ہی نہیں سکتا تو ہمارے پیچ تاب کے علاج کی کیا تدبیر کرے گا ۔

وہ شوخ اپنے حُسن پہ مغرور ہے اسدؔ
دکھلا کے اس کو آئنہ توڑا کرے کوئی

آئینے میں اس کا عکس نظر آئے گا ۔ آئینے کو توڑنے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں ۔ (۱) چونکہ وہ اپنے حُسن پر مغرور ہے اور آئینے میں اس کا ثانی دکھائی دے گا اس پر وہ جھنجلا اٹھے گا ۔ اس کی خوشنودی کے لئے آئینہ کو توڑ دیا جائے تاکہ اس کا مقابلہ کرنے والا آئینہ سلامت نہ رہے ۔ (۲) وہ اپنے حُسن پر مغرور ہے ۔ آئینے میں اس کا ثانی دکھا دیا جائے اور آئینے کو توڑ دیا جائے تاکہ اسے مآلِ حُسن معلوم ہو جائے اور اس کا دل عبرت پکڑے ۔ اس طرح غرور شکنی بھی ہو جائے گی ۔

(۲۰۰)

باغ تجھ بن گلِ نرگس سے ڈراتا ہے مجھے
چاہوں گر سیرِ چمن آنکھ دکھاتا ہے مجھے

آنکھیں دکھانا محاورہ ہے جس کے معنی کسی کو ڈرانا تنبیہ کرنا ہیں ۔ میں اگر باغ میں تیرے بغیر جاتا ہوں تو باغ مجھے گھور کر دیکھتا ہے ۔ باغ کی آنکھیں نرگس کا پھول ہیں اس لئے باغ گلِ نرگس سے آنکھیں دکھاتا ہے ۔

شورِ تمثال ہے کس رشکِ چمن کا یارب
آئنہ بیضۂ بلبل نظر آتا ہے مجھے

جس طرح غالب کے یہاں بیضۂ طاؤس مستقبل میں ظاہر ہونے والی رنگینی و بہار کی علامت ہے اسی طرح بیضۂ بلبل آئندہ پیدا ہونے والے عاشق کی علامت ہے ۔ آئینے کو دیکھ کر کس نے آرائش کی کہ اس رشکِ چمن کی تصویر کا شور ہے یہ آرائش کچھ عشاق پیدا کرے گی اسی لئے آئینے کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ۔ آئینہ سفید بھی ہے اس لئے اسے بیضۂ بلبل کہا ۔

حیرتِ آئینہ انجامِ جنوں ہوں جوں شمع
کس قدر داغِ جگر شعلہ اُٹھاتا ہے مجھے

آئینہ انجام : جس کا انجام صاف دکھائی دے ۔ حیرتِ آئینہ انجامِ جنوں : جنوں کی حیرت آئینہ انجام یعنی جنوں کی وہ حیرت جس کا انجام واضح ہے ۔ عشق میں پیدا شدہ داغِ جگر میرے اندر شعلے پیدا کر رہا ہے ۔ جنونِ عشق نے مجھے حیرت میں مبتلا کر دیا ہے اور مجھے اپنا انجام صاف دکھائی دے رہا ہے جس طرح شمع جنونِ عشق میں جلتی ہے اور اپنے انجام سے باخبر ہوتی ہے ۔

میں ہوں اور حسرتِ جاوید ، مگر ذوقِ خیال
بہ فسونِ نگہِ ناز ستاتا ہے مجھے

نسخۂ عرشی میں "حیرتِ جاوید" ہے جو سہوِ قرأت ہے یا سہوِ کتابت ۔ یہاں حسرت کا مقام ہے ۔ مجھے محبوب سے ملنے کی دائمی حسرت ہے ۔ حسرت میں مستقل ٹھہراؤ ہوتا ہے اس لئے تڑپ نہیں ہوتی لیکن میرا عاشق پیشہ خیال مجھے بہلاتا رہتا ہے کہ محبوب کی نگہِ ناز ایک نہ ایک دن تیری طرف ضرور متوجہ ہوگی تو مایوس نہ ہو ۔ اس طرح میرا تصور میرے اندر ایک بے قراری پیدا کرتا ہے ۔ غالب کے خود نوشت دیوان میں "حسرتِ جاوید" درج ہے ۔

حیرتِ فکرِ سخن سازِ سلامت ہے اسدؔ
دل پسِ زانوئے آئینہ بٹھاتا ہے مجھے

غالبؔ کے اشعار میں حیرت، عرض جیسے الفاظ اکثر محض بھرتی کیلئے آتے ہیں۔ انہیں حذف کر دیا جائے تو شعر کے معنی بہتر ہو جائیں۔ طوطی کو بولنا سکھانے کیلئے ایک آدمی آئینے کے پیچھے چھپ کر بولتا ہے۔ کہتے ہیں کہ فکرِ شعر میرے لئے سلامتی کا سامان مہیا کرتا ہے کیونکہ میں آئینے کے پیچھے محفوظ بیٹھ کر بول رہا ہوں۔ سخن کے معنی شعر کے بھی ہیں بات کے بھی۔ آئینے کے پیچھے بیٹھنے والا شخص سخن یعنی بات کرتا ہے۔ زانو پر سر رکھ کر فکر کیا جاتا ہے۔ زانو صاف شفاف بھی ہوتا ہے اس لئے آئینہ کا زانو پیدا کیا اور یہ زانو فکرِ سخن کا ہوا۔ شاعری کے پردے میں کتنی سلامتی ہے کہ دل کی باتیں بے فکری سے کہہ لیجئے کوئی ملزم نہ گردانے گا۔ آئینے کے تعلق سے حیرت پیدا کی ہے۔ آئینہ سخن کرنے والا دل ہے۔ دل کو صفائی کی وجہ سے آئینے سے تشبیہہ دیتے ہیں زانوئے آئینہ فکرِ سخن ہے۔ شاعر طوطی پسِ زانوئے آئینہ ہے۔

(۲۰۱)

یاد رکھئے نازہائے التفاتِ اوّلین
آشیانِ طائرِ رنگِ حنا ہو جائیے

شعر کا مخاطب، عاشق ہے محبوب نہیں۔ غالبؔ رنگِ حنا کے اُڑنے کو طائر کے اُڑنے سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اب محبوب نے حنا لگانی بند کر دی ہے اور اس کا رنگِ حنا اُڑ گیا ہے بلکہ اب وہ حنائی کف والا محبوب ہمیں نظر ہی نہیں آتا۔ گویا جہاں تک ہمارا تعلق ہے طائرِ رنگِ حنا اُڑ چکا ہے۔ ہمارے قبضے میں نہیں لیکن اگر طائر آشیاں میں مقیم ہو تو یہ نہیں کہیں گے کہ طائر اُڑ کر غائب ہو گیا۔

اے عاشقو: محبوب نے تم پر شروع شروع میں جس التفات کے ساتھ ناز سے کام فرمایا تھا یعنی دستِ حنائی کے جلوے دکھائے تھے اس کی یاد کئے جاؤ اور اپنے ذہن کو طائرِ رنگِ حنا کا آشیانہ بنا لو۔ رنگِ حنا خواہ مادی حیثیت سے تمہارے سامنے محفوظ نہ ہو لیکن کم از کم ذہنی حیثیت سے صرف تمہارے ہی پاس ہو۔

لطفِ عشقِ ہر یک اندازِ دگر دکھلائے گا   بے تکلف یک نگاہِ آشنا ہو جائیے

ہر ایک حسین سے عشق کرنے میں نئی نئی طرح کا لطف ہو گا اس لئے ہر حسین کے سامنے نگاہِ آشنا بن کر آئیے یعنی ہر ایک سے عشق جتائیے۔

داد از دستِ جفائے صدمۂ ضرب المثل
گر ہمہ افتادگی، جوں نقشِ پا ہو جائیے

اگر نقشِ پا کی طرح بالکل عاجز اور خاکسار ہو جائیں تو ہم عاجزی میں ضرب المثل ہو کر بدنام ہوں گے۔ ضرب المثل بننے کے صدمے سے ہم داد خواہ ہیں۔ لفظ ضرب المثل میں "ضرب" کے لفظ سے شاعر نے داد خواہی کا جواز پیدا کیا۔ یوں بھی بعض طبائع جگہ جگہ اپنے نام کا لیا جانا موجبِ آزار سمجھتی ہیں۔ یعنی خاکساری میں بھی آرام نہیں۔

وسعتِ مشرب، نیازِ کلفتِ وحشت اسدؔ
یک بیاباں سایۂ بالِ ہما ہو جائیے

نیازِ کلفتِ وحشت: نیاز مندِ وحشت، ممنونِ وحشتِ عشق۔ یک بیاباں: سراسر بہت زیادہ۔ سایۂ بالِ ہما: بادشاہ۔ وسعتِ مشرب صرف عشق کی وحشت کے نیاز مند ہونے میں ہے۔ جنونِ عشق میں جنگل میں بھاگ دوڑ کیجئے اور بادشاہت حاصل کر لیجئے۔ عاشق سے زیادہ وسیع مشرب کون ہو گا۔ وسعتِ نظر اور دل کی فراخ دلی کی بدولت عاشق بادشاہ سے کم نہیں ہوتا۔

(۲۰۲)

حیرت تپیدن ہا، خوں بہائے دیدن ہا
رنگِ گل کے پردے میں آئینہ پر افشاں ہے

محبوب آئینے کے سامنے آیا تو اسے دیکھ کر آئینہ بسمل ہو گیا۔ محبوب نے اسے خوں بہا یہ دیا کہ اپنے رنگ کے عکس سے آئینے کو رنگِ گل میں بدل دیا۔

پھولوں کا رنگ جو ہر طرف دکھائی دیتا ہے یہ آئینہ ہی ہے جو حیرتِ حسنِ یار کی وجہ سے تڑپ رہا ہے اور اپنے پر جھاڑ کر ترکِ دنیا کر رہا ہے۔

اگر خوں بہا کے معنی محض "بہا" لے لئے جائیں تو یہ معنی ہوں گے کہ آئینے نے محبوب کو دیکھا حیرت سے تڑپ رہا ہے اور اس کے دیکھنے کی یہ قیمت ادا کر رہا ہے کہ رنگِ گل بن کر ترکِ دنیا کی تیاری کر رہا ہے۔ رنگِ گل بننے کا جواز تاثیرِ رنگینیٔ محبوب ہے۔

عشق کے تغافل سے ہرزہ گردیِ عالم

روئے شش جہت آفاق، پشتِ چشمِ زنداں ہے

پشتِ چشم : تغافل کرنا ۔ دو معنی ممکن ہیں ۔ (۱) چونکہ عاشقوں نے دُنیا کی طرف سے غفلت اختیار کر رکھی ہے اس لئے دنیا ہرزہ گردی میں کھوئی ہوئی ہے ۔ آفاق کی شش جہت کیا ہیں؟ رندوں کا تغافل (۲) چونکہ عشق نے حقیقت کی طرف سے غفلت اختیار کی ہوئی ہے اس لئے دُنیا میں ہرزہ گردی کر رہا ہے ۔ آفاق کی رونق کاہے سے ہے؟ عاشقوں کی غفلت کی وجہ سے ۔ غفلت جو انھیں اپنے محبوب سے ہے ۔ دوسرے معنی غزلیہ روایات سے زیادہ نزدیک ہیں ۔

وحشت انجمن ہے گل، دیکھ لالے کا عالم

مثلِ دودِ مجمر ہا، داغ بال افشاں ہے

پھول وحشت کی انجمن ہے ۔ ثبوت کے طور پر لالے ہی کو دیکھیے اس کا داغِ وحشت اس طرح مائلِ پرواز ہے جیسے انگیٹھی کا کالا دھنواں ۔ داغ اور دود وحشت کی نشانیاں ہیں ۔

اے کرم نہ ہو غافل، ورنہ ہے اسدؔ بے دل

بے گہر صدف گویا، پشتِ چشمِ نیساں ہے

اے کرمِ خداوندی تو اسدؔ کی طرف سے غفلت نہ کر ورنہ اسدؔ مایوس اور شکستہ دل رہ جائے گا ۔ صدف موتی سے خالی ہو تو ابرِ نیساں کی پشتِ چشم سے مشابہ ہوتی ہے یعنی ابرِ نیساں کے تغافل اور چشم پوشی کی نشانی ہوتی ہے ۔ اسدؔ کا خالی ہونا بھی تیرے تغافل کا غماز ہوگا ۔ صدف کی مشابہت چشم اور پشتِ چشم سے ہے ۔

(۲۰۳) غم و عشرت، قدم بوسِ دلِ تسلیم آئیں ہے

دعائے مدعا گم کردگاں، لبریزِ آمیں ہے

دلِ تسلیم آئیں : وہ دل جو اپنی تقدیر کو تسلیم کئے ہیں ۔ مدعا گم کردگاں : وہ لوگ جو دعا کے لئے کوئی مدعا نہیں رکھتے ۔ جس دل نے حالات کو جیوں کا تیوں قبول کر لیا وہ غم و عشرت سے متاثر نہ ہوگا ۔ نہ اسے غم کا دھڑکا ہوگا نہ عشرت کی تمنا ۔ دونوں اس کی قدم بوسی کریں گے اور وہ ان پر اعتنا نہ کرے گا ۔ جو لوگ کوئی مدعا نہیں رکھتے ان کی دعا آمین سے لب ریز ہے یعنی فوراً قبول ہوتی ہے ۔ چونکہ ان کا کوئی مدعا ہی نہیں اس لئے ان کی دعا کا قبول ہونا نہ ہونا

یکساں ہے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ حالات پر شاکر ہو جاؤ اور کوئی خواہش نہ کرو تو چین سے گزر جائیگی ۔

تماشا ہے کہ ناموسِ وفا رسوائے آئیں ہے

نفس تیری گلی میں خوں ہو، اور بازار رنگیں ہے

تیری گلی میں عاشق کی ذات کا خون ہوا ۔ گلی کے باہر بازار تھا ۔ گلی سے بہہ کر خون بازار میں گیا ۔ بازار رنگین ہوا اور عشق کا راز رسوا ہو گیا ۔ ہم آئینِ عشق کے خیال سے تیری گلی میں جا کر خوں ہوئے تھے ۔ لیکن اس نے وفائے عاشق کی عزت ہی خاک میں ملا دی ۔

ہمارا دیکھنا گر ننگ ہے، سیرِ گلستاں کر

شرارِ آہ سے موجِ صبا دامانِ گل چیں ہے

اگر ہماری طرف دیکھنا تیرے لئے توہین و شرم کا باعث ہے تو کم سے کم باغ کی سیر تو کر سکتا ہے ۔ ہماری آہوں نے موجِ صبا پر چنگاریاں چھوڑ کر اسے مالی کا دامن بنا دیا ہے یعنی آہ کے شرر پھول جیسے معلوم ہوتے ہیں تو ان کی سیر کر ۔

پیامِ تعزیت پیدا ہے اندازِ عیادت سے

شبِ ماتم، بہ دامانِ دودِ شمعِ بالیں ہے

عیادت اور تعزیت کا فاعل کون ہے؟ آسی نے شمع کو قرار دیا ہے جو صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ سرہانے کی شمع اگرچہ ہماری مزاج پرسی کر رہی ہے لیکن اس کے دھوئیں میں شبِ ماتم چھپی ہوئی ہے جس سے ظاہر ہے کہ اسے ہماری جاں بری کی اُمید نہیں اور عیادت کے بعد تعزیت کے لئے تیار ہے ۔ عیادت کا فاعل محبوب یا دوسرے غم گسار بھی ہو سکتے ہیں ۔ وہ عیادت کے لئے شمع لے کر آئے ۔ شمع کو سرہانے رکھ دیا ۔ ان کے اس انداز سے تعزیت کی غمازی ہو گئی وہ خود شمع نہ لائے ہوں تو بھی شمع کا دھواں عیادت کو تعزیت کا پیش خیمہ قرار دینے کے لئے کافی ہے ۔

بس جز حسن، منت ناگوارا ہے طبیعت پر

کشادِ عقدہ، مجھ ناخنِ دستِ نگاریں ہے

ہم محبوب کے علاوہ کسی اور کی منت کا بوجھ نہیں لینا چاہتے ۔ ہماری عقدہ کشائی محبوب کے حنائی ناخن ہی سے ہو سکتی ہے ۔ عاشق کا واحد مسئلہ وصلِ محبوب ہوتا ہے اور وہ محبوب ہی پر منحصر ہے ۔ بقیہ کسی اور کا احسان کیوں لیا جائے ۔

نہیں ہے سرنوشتِ عشق غیر از بے دماغی ہا
جبیں پر میری مدِ خامۂ قدرت خطِ چیں ہے

بے دماغی : نازک مزاجی ، بے اعتنائی ۔ تقدیر نے اپنے قلم سے پیشانیِ عشق پر جو نقش کھینچے وہ چینِ پیشانی بن گئے ۔ پیشانی پر سکوڑ اسی وقت آتا ہے جب کوئی ناگوار بات ہو یا کسی گوارا شئے سے محروم رہ جائیں ۔ عشق کی قسمت میں اس قسم کی مجبوری کی بے دماغی کے سوا اور کچھ نہیں ۔

بہارِ باغ ، پامالِ خرامِ جلوہ فرمایاں
حنا سے دست و خونِ کشتگاں سے تیغ رنگیں ہے

باغ میں حسین ٹہل رہے ہیں ۔ انہوں نے بہارِ باغ کو مات اور ماند کر دیا ہے ۔ وہ سراپا رنگ بنے ہوئے ہیں ۔ ہاتھ حنا سے رنگین ہیں اور تلوار مقتول عاشقوں کے خون سے رنگین ہے کیا وجہ ہے ۔ دو اردو فقروں "حنا سے دست" "خونِ کشتگاں سے تیغ" کے درمیان فارسی عطف لانا مذموم ہے ۔

بیابانِ فنا ہے بعدِ صحرائے طلب غالب
پسینہ توسنِ ہمت کا سیلِ خانۂ زیں ہے

سلوک کے راستے میں طلب کے بعد فنا کی منزل آتی ہے ۔ ہمت کے گھوڑے نے جد و جہد کر کے صحرائے طلب کو طے کیا ۔ اس جہد کی نشانی اس کا پسینہ ہے یہی سیلاب بن کر زین کے گھر کو منہدم کر گیا ۔ خانۂ زیں میں سوار رہتا ہے گویا شدتِ شوق فنا کی منزل تک لے گئی ۔ زین کے خم کو خانۂ زیں کہتے ہیں ۔

(۲۰۴)

دیکھتا ہوں وحشتِ شوقِ خروش آمادہ سے
فالِ رسوائی ، سرشکِ سر بہ صحرا دادہ سے

جوش و خروش پر تلی ہوئی وحشت کا زور ہو رہا ہے ۔ آنسو اس کثرت سے بہہ رہے ہیں کہ جنگل کا رخ کیے ہوئے ہیں ۔ وحشت بھی مجھے جنگل کی طرف لے جائے گی اور ان دونوں یعنی وحشتِ عشق اور اشکِ رواں سے رسوائی کے آثار دکھائی دے رہے ہیں ۔ سر بہ صحرا دادہ : عازمِ صحرا

دام گر سبزے میں پنہاں کیجیے طاؤس ہو
جوشِ نیرنگِ بہارِ عرضِ صحرا دادہ سے

بہارِ عرضِ صحرا دادہ : وہ بہار جو صحرا کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہے ۔ اگر سبزے میں جال چھپا دیا جائے تو وہ بہار کی رنگا رنگی کے جوش سے طاؤس بن جائے گا ۔ طاؤس خوش رنگ ہوتا ہے ۔ دام کی غرض یہ تھی کہ طاؤس کو گرفتار کیجیے ۔ جوشِ بہار اس قدر ہے کہ خود دام ہی طاؤس بن گیا ۔

خیمۂ لیلیٰ سیاہ و خانۂ مجنوں خراب
جوشِ ویرانی ہے عشقِ داغ بیروں دادہ سے

عشقِ داغ بیروں دادہ : وہ عشق جس نے داغ چھوڑے ہیں ۔ داغِ یاس و ناکامی کی نشانی ہے ۔ عشق کے باعث جوشِ ویرانی ہے ۔ لیلیٰ کے خیمے میں ماتم کی سیاہی ہے اور مجنوں کا گھر برباد ہے یعنی عشق عاشق اور معشوق دونوں کو تباہ کر کے رکھتا ہے ۔

بزمِ ہستی وہ تماشا ہے کہ جس کو ہم اسدؔ
دیکھتے ہیں چشم از خوابِ عدم نکشادہ سے

آنکھ خوابِ عدم میں ہے اور ابھی اس نیند سے بیدار نہیں ہوئی ۔ ہستی وہ تماشا ہے جو خوابِ عدم کے بیچ دکھائی دے رہا ہے یعنی ہستی کا کوئی وجود نہیں ۔ انسان عدم کے عالم میں ہے جس میں ہستی ایک موہوم خواب ہے ؏

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

(۲۰۵)

منت کشی میں حوصلہ بے اختیار ہے
دامانِ صد کفن تہِ سنگِ مزار ہے

کسی کا زیرِ بارِ احسان ہونا کسے پسند ہے لیکن مجبوراً ایسا کرنا پڑتا ہے ۔ زندگی تو زندگی مرنے کے بعد بھی مرہونِ منت ہونے سے مفر نہیں ۔ کفن کا دامن سنگِ مزار سے دبا ہے ۔ یعنی کفن پہن کر مزار میں جانا ضروری ہے جو مزار کا احسان لینے کے مترادف ہے اس سے ثابت ہوا کہ بس مرگ بھی حوصلۂ انسان کو کسی کی منت کشی کرنی پڑتی ہے ۔ پتھر کے نیچے دامن ہونا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں کسی کے سامنے مجبور ہونا ۔

عبرت طلب ہے حلِ معمائے آگہی
شبنم ، گدازِ آئینۂ اعتبار ہے

دنیا کی حقیقت ایک راز ہے ۔ حقیقت یہی ہے کہ حیاتِ اشیا نہایت غیر معتبر اور مختصر

ہے۔ اس سے آگاہی ہو تو عبرت ہوگی۔ شبنم کیا ہے۔ اعتبارِ حیات کے آئینے کا پگھلاؤ یعنی اعتبار کا جاتے رہنا۔ اوّل اوّل حیات پر اعتبار کیا کہ یہ عرصے تک باقی رہے گی لیکن فنا کو دیکھ کر یہ اعتبار جاتا رہا۔ آئینۂ اعتبار پگھل گیا اور اوس کی شکل میں ظاہر ہوا یعنی اوس حیات کی غیر معتبری کی دلیل ہے شبنم کی پگھلے ہوئے آئینہ سے مشابہت ہے۔ آئینے سے آگہی ہوتی ہے۔

خجلت کشِ وفا کو شکایت نہ چاہیئے
اے مدعی طلسمِ عرق بے غبار ہے

کسی نے وفا کی اور شرمندہ ہوا۔ شرمندگی سے پیشانی پر عرق آیا۔ یہ نہ تھی محبوب کی شکایت کی لیکن اے شاکی یہ نہ چاہیئے۔ شرمندگیِ وفا اگر عرق سے مشابہ ہے تو شکایت غبار سے۔ عرق کا بغیر غبار کے ہونا مستحسن ہے۔ طلسموں میں بعض اوقات غبار بھی ہوتا ہے لیکن عرقِ شرمندگیٔ وفا کا طلسم ایسا ہے جس میں غبار کی گنجائش نہیں۔ اس لئے شکایت نہ کر۔

کیفیتِ ہجومِ تمنا رسا اسد
خمیازہ ساغرِ مئے رنجِ خمار ہے

اے اسد ہجومِ تمنا میں رسا ہونے کی کیفیت ہے یعنی بہت سی خواہشیں کیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ منزلِ مقصد برآری تک پہنچ گئیں۔ ہم انگڑائی جو لے رہے ہیں وہ فقدانِ مئے ہی کی نشانی نہیں بلکہ وہ ایک پیالے سے مشابہ ہے جس میں خمار کے رنج کی شراب بھری ہے مانا کہ یہ خمار سے پیدا شدہ تکلیف کی شراب ہے لیکن ہے تو کسی طرح کی شراب۔ پھر یہ کیونکر کہیں کہ ہم شراب سے محروم ہیں؟ اس طرح شراب کی خواہش کرنا شراب تک رسائی کے مترادف ہو گیا۔

(۲۰۶)

زنجیر یاد پڑتی ہے جادے کو دیکھ کر
اس چشم سے ہنوز نگہہ یادگار ہے

میں راستے کو دیکھتا ہوں تو اس کی مشابہت سے نگہِ یار کی یاد آجاتی ہے۔ نگاہ سے چشمِ یار کی یاد آجاتی ہے اور چشمِ یار کے تصور سے وہ زمانہ یاد آجاتا ہے جب ہم چشم کی وجہ سے جنوں زدہ تھے اور ہمیں زنجیر پہنائی جاتی تھی گویا جادے کو دیکھ کر زنجیر یاد پڑتی ہے یا پھر یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ چشمِ یار کے تصور سے ہمیں جنون کا اندیشہ ہوتا ہے اور وہ زنجیر یاد آجاتی ہے جو ہمیں پہنائی جانی چاہیئے۔ ع نرگس کو باغ میں جانے نہ دینا قسم ہے

آسی نے اس شعر کے معنی یوں لکھے ہیں۔

جادے سے مراد زنجیر کے گھٹنے کا نشان ہے جس طرح نشانِ زنجیر کو دیکھ کر زنجیر کی یاد آجاتی ہے اسی طرح نگاہِ یار کو دیکھنے سے چشمِ یار آجاتی ہے۔ (مجھے ان معانی پر یہ اعتراض ہے کہ نگاہ کے ساتھ ساتھ آنکھ بھی دکھائی پڑے گی۔ اس لئے نگاہ کو دیکھ کر آنکھ کا یاد آنا کیا معنی)

باقیاتِ غالب میں وجاہت علی سندیلوی یہ معنی لکھتے ہیں جس طرح راستہ دیکھ کر مجھے زنجیر یاد آجاتی ہے جو میں کبھی پہن کر چلا تھا اسی طرح اس کی آنکھ دیکھ کر مجھے اس کی وہ نگاہِ لطف یاد آجاتی ہے جو مجھ پر کبھی پڑی تھی۔

اس میں قباحت یہ ہے کہ دونوں مصرعوں کا تعلق مضبوط نہیں ہوا۔ دوسرے یہ کہ شاعر نے کہا ہے کہ نگاہ چشم کی نشاں دہی کرتی ہے نہ یہ کہ چشم نگاہِ لطف کی یاد دلاتی ہے۔

سودائی خیال ہے طوفانِ رنگ و بو
یاں ہے کہ داغِ لالہ دماغِ بہار ہے

سودائی خیال: میرا تصور جو سودائی یا دیوانہ سے مشابہ ہے۔ میرا خیال طوفانِ رنگ و بو بنا ہوا ہے یعنی میں بڑی بڑی بہاروں کا تصور کر رہا ہوں۔ حالانکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ محض ایک داغِ لالہ دماغِ بہار کا عکس بنا ہوا ہے۔ یعنی بہار کی بساط اتنی کم ہے کہ وہ داغِ لالہ میں سمٹ کر رہ گئی ہے۔ اس سے زیادہ کا بہار کو دماغ ہی نہیں

آسی کے نزدیک اپنے خیال کو داغِ لالہ سے تشبیہ دی ہے۔ میرے خیال کے طوفانِ بہار بننے سے یہ انہونی بات ہوئی کہ تنہا داغِ لالہ پوری بہار کا دماغ بن گیا۔ سودا میں خون کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے۔ داغِ لالہ بھی سیاہ ہوتا ہے۔ ایک مماثلت ہو گئی۔ ان معانی میں دوسرا مصرع پہلے مصرع کی تفسیر ہے۔ میرے پیش کردہ معنی میں دوسرا مصرع پہلے سے انحراف کرتا ہے۔

بھونچال میں گرا تھا یہ آئینہ طاق سے
حیرت شہیدِ جنبشِ ابروئے یار ہے

حیرت عشق کا خاصہ ہے جو حسنِ محبوب کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔ جنبشِ ابرو آزردگی یا ناراضی کی نشانی ہے۔ ابروئے یار کی جنبشِ خفگی دیکھ کر حیرتِ عشق کافور ہو گئی۔ ابرو طاق سے

مشابہ ہے حیرت آئینے سے اور ابروئے یار کی خفیف سی جنبش بھونچال سے تشبیہ مکمل ہو گئی۔

حیراں ہوں شوخیِ رگِ یاقوت دیکھ کر
یاں ہے کہ صحبتِ خس و آتش برار ہے

صحبت برآر ہونا : صحبت کا موافق آنا۔ یاقوت اپنی سرخی کی وجہ سے آگ سے مشابہ ہے رگِ یاقوت خس سے۔ مجھے رگِ یاقوت کی شوخی اور ہمت پر حیرت ہوتی ہے کہ آگ اور تنکا ایک دوسرے کے ساتھ موجود ہیں۔

(۲۰۷)

بہ حلقۂ خمِ گیسو ہے راستی آموز
دہانِ مار سے گویا صبا نکلتی ہے

محبوب حلقۂ خمِ گیسو سے ہوا کو گزار کر اسے راستی آموزی کر رہا ہے۔ ایسی مثال ہے جیسے سانپ کے منہ سے ہوا نکل رہی ہو۔ سانپ میں پیچ و خم ہوتا ہے لیکن اس کے منہ سے ہوا کی دھار سیدھی نکلتی ہے۔ حلقۂ گیسو سے گزرنے سے ہوا کا بل بھی نکل جائے گا۔

برنگِ شیشہ ہوں یک گوشۂ دلِ خالی
کبھی پری مری خلوت میں آ نکلتی ہے

خالی بوتل کی طرح میں بھی ایک خالی دل کا گوشہ ہوں۔ کبھی کبھی مری خلوت میں کوئی حسین آجاتا ہے۔ دراصل حسین بہ نفسِ نفیس نہیں آتا بلکہ اس کا تصور آتا ہے۔ شیشے میں پری کو اتارنا پرانا مضمون ہے۔

اسدؔ کو حسرتِ عرضِ نیاز تھی دمِ قتل
ہنوز یک سخنِ بے صدا نکلتی ہے

اسدؔ کو حسرت تھی کہ قتل سے پہلے اپنے جذبۂ نیاز کا اظہار کر دے لیکن نہ کر سکا۔ اس لئے قتل کے بعد بھی اس کی حسرت کی بات سنائی پڑتی ہے لیکن یہ بات آواز کے بغیر ہے دل کے کان ہی اسے سن سکتے ہیں۔ سخن کو مونث لانا خلافِ محاورہ ہے۔

(۲۰۸)

ہے انتظار سے شرر آبادِ رستخیز
مژگانِ کوہکن رگِ خارا کہیں جسے

فرہاد کی پلکیں شیریں کی آمد کے انتظار میں پتھرا گئی ہیں اور اب پتھر میں رگیں جو نظر آتی ہیں وہ دراصل فرہاد کی چشمِ منتظر کی پلکیں ہیں۔ رگِ خارا میں جو چنگاریاں چھپی ہوئی ہیں وہ قیامت کی چنگاریاں ہیں جو بے چین پلکوں کی کیفیت کی غماز ہیں۔

کس فرصتِ وصال پہ ہے گل کو عندلیب
زخمِ فراق، خندۂ بے جا کہیں جسے

پھول کے کھلنے کو زخمِ فراق اور بے موقع ہنسی سے تشبیہ دی ہے۔ اے بلبل پھول کو کب کسی سے وصال کی فرصت ہوئی تھی کہ اس کی یاد میں فراق کا کشادہ زخم لئے ہوئے ہے یہ زخم بے موقع ہنسی کی طرح بے جواز ہے۔

یارب ہمیں تو خواب میں بھی مت دکھائیو
یہ محشرِ خیال کہ دنیا کہیں جسے

دنیا کی کوئی حقیقت نہیں محض خیالی قیامت ہے۔ ہمیں تو خواب میں بھی اس سے سابقہ نہ پڑے تو اچھا ہے۔

(۲۰۹)

سر رشتۂ بے تابیِ دل، در گرہِ عجز
پرواز بہ خوں خفتہ و فریاد رسا ہے

خونِ خفتہ یا خفتنِ خوں : کسی کا وہ خون جو بحل کر دیا ہو، جس پر باز پرس نہ ہو۔ پرندے کو گرفتار کیا ہوا ہے۔ اسے قتل کرنے کا منصوبہ ہے۔ اس کا دل بے تاب ہے لیکن اس بے تابی کے رشتے میں عجز کی گرہ لگی ہوئی ہے یعنی بے تابیِ دل کا تدارک نہیں ہو سکتا۔ صید کا خون بحل ہے۔ اس کی پرواز اسی متوقع قتل میں گم ہے جس کا قصاص نہیں لیا جائے گا لیکن اس کی فریاد بہت بلند پرواز ہے یعنی صید کچھ عمل تو کر نہیں سکتا نالہ و فریاد خوب کر رہا ہے

یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں مصرعے آزاد جملے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں مصرع مل کر ایک جملہ ہوں یعنی دوسرے مصرع کے دونوں فقرے "سر رشتۂ بے تابیِ دل" کی صفات ہوں یعنی گرہِ عجز میں سر رشتۂ بے تابیِ دل، پرواز بہ خوں خفتہ ہے اور یہی سر رشتہ فریاد رسا ہے۔ دونوں طرح معانی یکساں رہتے ہیں۔

(۲۱۰)

پھونکتا ہے نالہ ہر شب صورِ اسرافیل کی
ہم کو جلدی ہے مگر تو نے قیامت ڈھیل کی

اسرافیل کا صور پھونکنا آمدِ قیامت کی نشانی ہے۔ ہمارا بلند بانگ نالہ ہر رات صورِ اسرافیل پھونکتا ہے۔ اے قیامت ہمیں جلدی ہے کہ تو آجائے لیکن تو دیر کر رہی ہے۔

کی ہیں کس پانی سے یاں یعقوب نے آنکھیں سفید
ہے جو آبی پیرہن ہر موجِ رودِ نیل کی

آنکھوں کا سفید ہونا بے نور ہونے کو کہتے ہیں۔ آنکھ کی سیاہی نور کی نشانی ہے۔ کوئی چیز سیاہ سے سفید ہو جائے تو گمان ہوتا ہے کہ پانی سے دھو پونچھ کر سیاہ کو سفید میں بدلا ہوگا۔ آنکھوں میں پانی اُتر آنا بھی زوالِ بصارت کا باعث ہوتا ہے اس طرح پہلے مصرع کے بیان کا جواز ہو جاتا ہے۔ پیراہن آبی کرنا کنایہ ہے لباس ماتمی پہننے سے غالب پوچھتے ہیں کہ حضرت یعقوب کی آنکھ کی پتلی کس پانی سے دھل کر سفید ہو گئی تھی کہ دریائے نیل کی ہر موج ماتمی لباس پہنے ہے۔ چونکہ موج کا لباس واقعی آبی ہے اس لئے ماتمی ہوا۔ موج اس بات کا کفارہ ادا کر رہی ہے کہ پانی نے آنکھ کو سفید یا نابینا کیا تھا۔ چونکہ یوسف و یعقوب کا واقعہ مصر کے علاقے کا تھا اس لئے شاعر نے رودِ نیل کی تخصیص کی۔

آسی نے آبی کو ہلکے نیلے کے معنی میں لیا اور شعر کو محض لفظی اُلٹ پھیر قرار دیا کہ نیل کی ہر موج کا رنگ نیلا ہے تو یہ آنکھ کو سفید کیونکر کر سکتی ہے۔ بہارِ عجم کے مطابق پیراہنِ آبی ماتمی لباس کو کہتے ہیں۔

عرش پر تیرے قدم سے ہے دماغِ گردِ راہ
آج تنخواہِ شکستن ہے کلہ جبریل کی

محبوب کے قدم پڑنے سے گردِ راہ کا دماغ عرش پر پہنچ گیا۔ شکستن بمعنی عاجزی، خاکساری، کم ارز ہونا۔ گردِ راہ، شکستن کی نشانی ہے۔ گویا آج شکستن کی مزدوری میں کلاہِ جبریل ملتی ہے۔ خاک میں شکستہ چیز کو قدمِ محبوب کے باعث کلاہِ جبریل کی سی بلندی مل گئی۔

آسی نے تنخواہ کو سزاوار کے معنی میں لیا جس کا جواز نہیں۔ ان کے نزدیک چونکہ گردِ راہ عرش نشیں ہو گئی اس لئے کلاہِ جبریل توڑ ڈالنے کے قابل ہو گئی بے مصرف ہو گئی۔

مدعا در پردہ یعنی جو کہوں باطل سمجھ
وہ فرنگی زادہ کھاتا ہے قسم انجیل کی

اسلامی عقیدے کے مطابق انجیل منسوخ اور باطل صحیفہ ہے۔ وہ انگریز محبوب انجیل کی قسم کھاتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا مدعا وہ نہیں جو الفاظ سے ظاہر ہے۔ وہ اعلان کرتا ہے کہ میری بات کو جھوٹ سمجھ۔

خیر خواہِ دید ہوں، از بہرِ دفعِ چشمِ زخم
کھینچتا ہوں اپنی آنکھوں میں سلائی نیل کی

چشمِ زخم: نظر لگانے والی آنکھ۔ نظر کو دور کرنے کے لئے سیاہی یا نیل کا ٹیکہ لگا دیتے ہیں۔ آنکھ میں نیل کی سلائی پھیرنا اندھا کرنے کو کہتے ہیں۔ میں اپنی بصارت کا خیر خواہ ہوں اسے نظرِ بد سے محفوظ رکھنے کے لئے نیل کا ٹیکا دینے کی بجائے آنکھوں میں نیل کی سلائی پھیر لی ہے یعنی بصارت ہی زائل کر دی۔ بصارت کو اس طرح کھو کر میں نے بصارت کی حفاظت کا بہترین راستہ نکالا۔ آسی نے اس شعر کے دو معنی لکھے ہیں۔ ایک تو مندرجہ بالا ہیں لیکن اس سے پہلے انہوں نے یہ معنی دئے ہیں "میں محبوب کے جمال کا خیر خواہ ہوں۔ اسے نظرِ بد سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی آنکھوں میں نیل کی سلائی کھینچ لی ہے"۔ یہ معنی صحیح نہیں کیونکہ نیل کا ٹیکہ خود اسی شخص کے لگایا جاتا ہے جسے محفوظ رکھنا ہے نہ کہ کسی دوسرے کے۔ آسی نے ثانی الذکر معنی کو ترجیح دی ہے جس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔

نالہ کھینچا ہے، سراپا داغِ جرأت ہوں اسد
کیا سزا ہے میرے جرمِ آرزو تاویل کی

میں نے نالہ کھینچنے کی جرأت کی ہے اور میں اس جرأت کی وجہ سے شرمندہ ہوں۔ میرے جرمِ نالہ کشی کی تاویل کی جا سکتی ہے کہ یہ اظہارِ آرزو ہے لیکن اس تاویل کے باوجود میں سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ کیا سزا تجویز کرتے ہو۔

(۲۱۱)

کیا ہے ترکِ دنیا کاہلی سے
ہمیں حاصل نہیں بے حاصلی سے

بے حاصلی: دل میں کوئی مدعا نہ رکھنا۔ ہم نے ترکِ دُنیا زہد و پارسائی کے تحت نہیں

کیا بلکہ کاہلی کی وجہ سے۔ اسی لئے ترکِ مقصد جوئی سے ہمیں دُنیا و آخرت میں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

خراجِ دیہہِ ویراں، یک کفِ خاک
بیاباں خوش ہوں، تیری عاملی سے

دوسرے مصرع میں "ہوں" واوُ معروف سے صیغۂ واحد متکلم ہے یا واوُ مجہول سے صیغۂ جمع غائب میں واحد متکلم کو ترجیح دے کر یہ معنی لیتا ہوں۔ ایک ویران گاؤں کا خراج محض ایک مٹھی خاک ہے یعنی کچھ نہیں دینا پڑتا۔ اے بیاباں میں تیری حکومت سے خوش ہوں کہ تو نے محض ایک ویران گاؤں پر عملداری کی اجازت دی اور کچھ محصول نہ لیا۔

آسی نے ہوں کا فاعل بیاباں کو قرار دیا ہے "اے خدا بیاباں تیری حکومت سے خوش ہو سکتے ہیں کیونکہ انھیں خراج میں محض ایک کفِ خاک دینی پڑتی ہے۔" پہلے معنی اس لئے قابلِ ترجیح ہیں کہ غزل کی روایت کے مطابق عاشق ویرانہ پسند ہوتا ہے۔

پرافشاں ہو گئے شعلے ہزاروں
رہے ہم داغ، اپنی کاہلی سے

کتنے شعلے پرواز کرنے لگے جو ترقی کی نشانی ہے۔ ہم کاہلی سے محض داغ ہی بنے رہے جو افسردگی کی علامت ہے یا ہم اپنی کاہلی کے ہاتھوں داغ ہیں یعنی کاہلی سے جل بھُن رہے ہیں۔

خدا یعنی پدر سے مہرباں تر
پھرے ہم دربدر نا قابلی سے

خدا باپ سے زیادہ مہرباں ہے۔ ہم تلاشِ معاش میں دربدر تلاش کرتے پھرے یہ ہماری ہی نا اہلیت ہے۔ شاید توکل کر کے بیٹھے رہتے تو وہ ہمیں دے دیتا۔

اسدؔ قرباں لطف و جورِ بیدل
خبر لیتے ہیں، لیکن بیدلی سے

لطف و جورِ بیدل: وہ لطف اور جور جو بیدل عاشق پر روا رکھا جائے۔ بیدل سے مراد شاعر بیدل نہیں بلکہ عاشق مراد ہے حسین لوگ عاشق پر جس ادا سے بہ یک وقت لطف اور جور دونوں روا رکھتے ہیں اسدؔ اس کے قربان جائے۔ وہ عاشق کی خبر لیتے ہیں اور یہ لطف و عنایت پر دال ہے لیکن وہ یہ خبر خلوصِ دل سے نہیں لیتے اور یہ جور ہے۔ شاعر نے یہاں بیدلی بددلی کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

(۲۱۳)

نگہ اس چشم کی افزوں کرے ہے ناتوانائی
پرِ بالش ہے وقتِ دید، مژگانِ تماشائی

محبوب کی آنکھ کی نگاہ ضعف بڑھاتی ہے۔ دیکھنے والے عاشق کی پلکیں تکیے میں بھرے ہوئے پر کی طرح ہیں۔ پلک پر سے مشابہ ہوتی ہے۔ پرِ بالش یعنی بالش بیمار، ضعف کا سہارا ہوتا ہے۔ پلک کا پرِ بالش ہونا فرطِ ضعف کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

شکستِ قیمتِ دل، آشنوئے غدرِ شناسائی
طلسمِ نا اُمیدی ہے، خجالت گاہِ پیدائی

ہم محبوب کے پاس گئے اس نے پہچاننے سے غدر کر دیا۔ یہ غدر محض غدر ہی نہیں اس کے ماورا اور اس سے مزید ہمارے دل کی قیمت کا ٹوٹنا ہے۔ اس طرح ہمارے ظاہر ہونے کا مقام شرمندگی کا مقام ہے اور نا اُمیدی کا طلسم ہے۔ اگر شناسائی کا تعلق محبوب سے نہ ہو کر عام دوستوں سے ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ دُنیا میں ظاہر ہونا ہمارے لئے نا اُمیدی کا طلسم بن گیا کیونکہ سب نے ہم سے آشنا ہونے سے غدر کر دیا اور اس طرح ہمارے دل کی قیمت ختم کر دی۔

پرِ طاؤس ہے نیرنگِ داغِ حیرت انشائی
دو عالم دیدۂ بسمل، چراغاں جلوہ پیمائی

اس شعر میں الفاظ کی کثرت ہے اور پرتوں میں معنی چھپے ہوئے ہیں۔ شعر سے ذیل کے معنی برآمد ہو سکتے ہیں۔

دُنیا کی بوقلمونی دیکھ کر حیرت پیدا ہوتی ہے۔ اس حیرت کو تحریر کیا جائے تو پوری طرح کامیابی نہیں ہوتی اس لئے داغِ ناکامی رہ جاتا ہے۔ حیرت انشائی کے اس داغ میں طرح طرح کے رنگ ہیں جن کی وجہ سے وہ پرِ طاؤس کی طرح رنگیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشاہدۂ عالم سے پیدا شدہ حیرت بڑی رنگین ہے۔ دو عالم غالباً اظہارِ کثرتِ مقدار کیلئے ہے غالبؔ کے اشعار میں دیدۂ بسمل فرطِ حیرت کا مخزن ہوتا ہے۔ بوقلمونیٔ عالم کو دیکھ کر انسان حیرت سے بسمل ہو گیا ہے۔ اس کی آنکھیں جلوہ پیمائی کر رہی ہیں اور اس سے چراغاں کا مزا مل رہا ہے۔ دوسرے مصرع کے معنی ہوئے "ایک طرف بہت سے دیدۂ بسمل ہیں جو جلوے دیکھ کر چراغاں کا لطف لے رہے ہیں۔" اگر دو عالم کو ستارہ کی صفت نہ مان کر لفظی معنی میں لیں تو کہیں

گے کہ دونوں عالم دیدۂ بسمل کی طرح حیرت سے مشاہدہ کر رہے ہیں اور جلوہ بیمانی میں چراغاں کی کیفیت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی رنگینیوں میں پرِ طاؤس اور چراغاں کی کیفیت ہے۔ پرِ طاؤس کے داغ روشن ہو کر چراغاں ہی کرتے ہیں۔

تحیر ہے گریباں گیرِ ذوقِ جلوہ پیرائی
ملی ہے جوہرِ آئینہ کو جوں بخیہ گیرائی

کسی کا گریباں پکڑنا شکایت کی غرض سے ہوتا ہے۔ ذوقِ جلوہ پیرائی آئینے کے سامنے آکر ظاہر ہوتا ہے۔ حیرت کا مقام آئینہ ہے۔ حیرتِ آئینہ نے محبوب کے ذوقِ جلوہ پیرائی کا گریباں پکڑا۔ اگر حیرت کا مرکز جوہرِ آئینہ کو قرار دیں تو کہہ سکتے ہیں کہ جوہرِ آئینہ میں بھی پکڑ اور گرفت کی وہ صفت پیدا ہوگئی جو مثلاً بخیہ میں ہوتی ہے۔ جوہر اور بخیہ میں مماثلت ہے۔ جوہر نے جلوۂ محبوب کی گریباں گیری کی۔

شرارِ سنگ سے پادر حنا گلگونِ شیریں ہے
ہنوز اے تیشۂ فرہاد عرضِ آتشیں پائی

پادر حنا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں پاؤں کا مجروح ہونا۔ آتشیں تیز روی کو کہتے ہیں۔ آسی نے ان محاوروں کے معنی نہ سمجھ کر مصرعِ اولیٰ میں شرر سے گھوڑے کے پاؤں کو حنا رنگ کر دیا اور آتشیں پائی کو آتش زیرِ پا سمجھ کر بے قراری کے معنی میں لے لیا جو صحیح نہیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے فرہاد پتھروں پر تیرے تیشہ کی چوٹ سے جو شرارے نکل رہے ہیں ان سے شیریں کے گھوڑے کا پاؤں مجروح ہوگیا ہے کیا تو اب بھی اپنے تیشے کی تیز روی کو جاری رکھے گا۔ یا یہ کہ گھوڑے کا پاؤں زخمی ہوگیا ہے اور اے تیشے تجھے ابھی اپنی تیز روی کا نمونہ دکھانا باقی ہے۔ شرار سے شیریں کے گھوڑے کے پاؤں کے زخمی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ گھوڑا فرہاد کے پاس سے چلنے کے ناقابل ہوگیا یعنی شیریں کوہکن کے پاس ٹھہر گئی۔ ظاہر ہے اس کی لگن کو دیکھ کر رک گئی ہے جسے شاعرانہ انداز میں شرارے گھوڑے کا پاؤں مجروح ہونا کہا گیا ہے۔ روایتاً شیریں بیستوں شکنی کے دوران فرہاد کے پاس گئی تھی اور اسے کام کرتے دیکھا تھا۔

نمودِ دستِ رد نے شانہ توڑا فرقِ ہدہد پر
سلیمانی ہے ننگِ بے دماغانِ خود آرائی

شانہ شکستن: خالف کرنا۔ شانۂ سرِ ہدہد: ہدہد کے سر کی کلغی۔ خود آرائی میں مست رہنے والے بے دماغ حسین حضرت سلیمان کی سی بادشاہت کو ٹھکراتے ہیں۔ انھوں نے سلیمانی کو ہاتھ سے رد کیا اور ان کا یہ انداز دیکھ کر سلیمان کا قاصد ہدہد خالف ہوگیا۔

جنوں افسردہ و جاں ناتواں اے جلوہ شوخی کر
گئی یک عمرِ خودداری بہ استقبالِ رعنائی

میں بڑا خوددار تھا لیکن میری ساری عمر رعنائی محبوب کے استقبال کیلئے انتظار میں کھڑے کھڑے گزر گئی۔ خدارا اے جلوۂ محبوب اب تو جلدی سے شوخی دکھا کیونکہ تیرے بغیر جنونِ عشق ٹھٹھر گیا ہے اور جاں مضمحل ہوگئی ہے۔ میں نے تیرے لئے اپنی خودداری کی بھی بازی لگائی۔

نگاہِ عبرت افسوں گاہ برق و گاہ مشعل ہے
ہوا ہر خلوت و جلوت سے حاصل ذوقِ تنہائی

میری نگاہ عبرت کے جادو کے زیرِ اثر ہے۔ وہ جلوت میں آتی ہے تو دنیا کی ہر چیز کو بے اصل سمجھ کر اس سے کنارہ کشی کرتی ہے گویا برق بن کر ان کے وجود کو ختم کر دیتی ہے اور مجھے تنہائی میں لے جانے پر مائل کرتی ہے۔ خلوت میں آتی ہے تو مشعل یا شمع بن کر خلوت کو منور کر دیتی ہے اور تنہائی پسند بنا دیتی ہے۔ اس طرح میں باہر جاؤں یا ایک گوشے میں رہوں عبرت مجھے تنہائی پسند بنائے ہوئے ہے۔

جنونِ بے کسی ساغر کشِ داغِ پلنگ آیا
شرر کیفیت، مے رنگ، محوِ نازِ مینائی

بے کسی و تنہائی کے احساس نے جنون کی کیفیت پیدا کی اور جوشِ وحشت میں جنگل میں دوڑ لئے۔ وہاں چیتے کے داغ کو دیکھا تو اس نے ساغر کی طرح سرشار کر دیا۔ پتھر شراب کی بوتل کی طرح ہے اور پتھر کے شرر میں شراب کی کیفیت ہے یعنی جنون میں صحرا کی سب چیزیں داغِ پلنگ، سنگ، شررِ سنگ مجھے راس آرہی ہیں۔ غالب نے ایک اور شعر میں داغِ پلنگ کو جام سے مشابہ کیا ہے۔

نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی
ہوا جامِ زمرد بھی مجھے داغِ پلنگ آخر

خدایا غوں ہو رنگِ امتیاز اور نالہ موزوں ہو
جنوں کو سخت بے تابی ہے تکلیفِ شکیبائی

اس وقت میں صبر کئے ہوں جس کی وجہ سے دوسروں میں ممتاز ہوں لیکن ضبط و قناعت کی تکلیف بے قراری پیدا کر رہی ہے کاش یہ ننگِ امتیاز جاتا رہے اور میں شکیب کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر نالہ کرنے لگوں۔ اس طرح بے قراری کو ٹھہراؤ تو آئے گا۔

خراباتِ جنوں میں ہے "اسد" وقتِ قدح نوشی
بہ عشقِ ساقیِ کوثر، بہارِ بادہ پیمائی

اسد شراب پیتے وقت شراب خانے میں شراب خواری کا مزا ساقیِ کوثر کے عشق ہی میں ہے۔

(۲۱۳)

بسکہ زیرِ خاک با آبِ طراوت راہ ہے
ریشے سے ہر تخم کا دلو اندرونِ چاہ ہے

فارسی محاورہ ہے دلو بہ سرِ چاہ رسیدن جس کے معنی ہیں کام تمام ہونا، عمر تمام ہونا یہ معنی انسان کے تعلق سے تھے۔ تخم کے ضمن میں یہ معنی مراد نہیں لئے جا سکتے بلکہ کامرانی مُراد ہے۔ اس طرح شعر کے یہ معنی ہوں گے۔

تخم کو زیرِ خاک بویا جائے تو اس کی آبِ زیرِ زمیں سے رسم و راہ ہوتی ہے۔ تخم سے ریشہ پھوٹ کر نیچے کو جاتا ہے اور کنوئیں میں ڈول کی طرح پانی تھیا کرتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو کوئی خاک میں ملتا ہے وہ کامراں ہوتا ہے۔

عکسِ گل ہائے سمن سے چشمہ ہائے باغ میں
فلسِ ماہی آئینہ پردازِ داغِ ماہ ہے

باغ کے چشمے میں چمیلی کے پھولوں کا عکس پڑا تو پانی چاند کی طرح منور ہو گیا اس کے بیچ فلسِ ماہی یوں دکھائی پڑتا ہے جیسے چاند میں داغ۔ فلسِ ماہی آئینہ کی طرح منور اور صاف ہو گیا۔ فلس کا یہ آئینہ داغِ ماہ کے سامنے آ کر اسے آئینہ دکھانے لگا اس طرح داغِ ماہ پر فلس کی فوقیت ظاہر ہو گئی

واں سے ہے تکلیفِ عرضِ بے دماغی ہائے دل
یاں صریرِ خامہ، مجھ کو نالۂ جاں کاہ ہے

محبوب کی جانب سے مجھے اپنے دل کی نازک مزاجی بیان کرنے کی زحمت دی جا رہی ہے لیکن میرے لئے چٹھی لکھنا بڑا بار دہ ہے۔ قلم کی آواز جان کو کھلنے والے نالے کی طرح معلوم ہوتی ہے۔

حسن و رعنائی میں وہم صد سرو گردن ہے فرق
سرو کے قامت پہ گل یک دامنِ کوتاہ ہے

حُسن و رعنائی ہر ایک کا نصیب نہیں۔ سینکڑوں سرو گردن میں تھوڑا تھوڑا فرق ہوتا ہے اور اس سے حسن کا فرق ہو جاتا ہے۔ سرو پر پھول رکھ دیا جائے یا پھول کی بیل چڑھا دی جائے تو کوئی حُسن نہ ہوگا کیونکہ سرو کی مناسبت سے پھول چھوٹا ہوگا جیسے کسی کا کپڑا چھوٹا ہو حُسن تناسب کا نام ہے۔ پہلے مصرع میں الفاظ ناکافی ہیں۔

رشک ہے آسایشِ اربابِ غفلت پر اسد
پیچ و تابِ دل، نصیبِ خاطرِ آگاہ ہے

عقلمند لوگ بے چین رہتے ہیں۔ غافلوں کے آرام و سکون پر رشک آتا ہے۔

(۲۱۴)

بسکہ چشم از انتظارِ خوش خطاں بے نور ہے
یک قلم، شاخِ گلِ نرگس، عصائے کور ہے

خوش خطاں: وہ حسین جن کا سبزۂ نو رستہ خوشنما ہو۔ آنکھ حسینوں کا انتظار کر رہی ہے ان کا جلوہ دکھائی دے تو آنکھ میں نور آ جائے ورنہ بے نور چنانچہ باغ میں نرگس کی شاخ بھی حسینوں کو دیکھنے کی منتظر ہے۔ ان کے نہ آنے پر نرگس کی آنکھ بھی بے نور ہے اس لئے شاخِ نرگس اندھے کی لاٹھی کی طرح معلوم ہوتی ہے۔

بزمِ خوباں بسکہ جوشِ جلوہ سے پُر نور ہے
پُشتِ دستِ عجزیاں ہر برگِ نخلِ طور ہے

حسینوں کی محفل میں ان کے جلوہ سے جو نور ہے وہ کوہِ طور میں کہاں چنانچہ شجرِ طور کا ہر پتہ ان کے مقابلے میں اتنا بے رونق ہے کہ عجز ظاہر کرنے والے ہاتھ کی پشت معلوم ہوتا ہے۔

ہوں تصور ہائے ہم دوشی سے بدمستِ شراب
حیرتِ آغوشِ خوباں، ساغرِ بلور ہے

میں حسینوں سے ہم آغوشی کے تصور میں مست ہو رہا ہوں۔ ان کی آغوش میں پہنچ کر ان کے حُسن کو دیکھ کر حیران رہ جانے میں شراب کے بلوری ساغر کی کیفیت ہے۔ میں اس حیرت کا تصور کر رہا ہوں۔

ہے عجب مُردوں کو غفلت ہائے اہلِ دہر سے
سبزہ، جوں انگشتِ حیرت در دہانِ گور ہے

مُردوں کی غفلت مثالی مانی جاتی ہے لیکن انھیں دُنیا داروں کی غفلت پر تعجب ہے حیرت میں مُنہ میں اُنگلی دبالی جاتی ہے۔ مُردوں کی قبر سے جو سبزہ پھوٹ رہا ہے وہ دراصل قبر کے مُنہ میں انگشتِ حیرت ہے۔

ہے زپا افتادگی ہی لغزشِ پیمائی سے مجھے
بے سخن، تب خالۂ لب دانۂ انگور ہے

زپا افتادگی : عاجزی اور ضعف کے باعث گر پڑنا۔ بے سخن : لاریب۔ ایسے موقع پر لاتے ہیں جب اس کے خلاف سخن کی گنجائش نہ ہو۔ میرے لئے ناتوانی میں گر پڑنا ہی لغزش میں گرنے کی طرح ہے۔ کمزوری یا بیماری سے میرے ہونٹ پر جو دانہ پڑ گیا ہے وہ میرے لئے دانۂ انگور ہے جو شراب کا منبع ہے۔

حسرت آبادِ جہاں میں ہے الم، غم آفریں
نوحہ گویا، خانہ زادِ نالۂ رنجور ہے

دُنیا میں الم مزید دُکھ پیدا کرتا ہے۔ بیمار کا نالہ موت کے بعد کے نوحے کو جنم دیتا ہے۔ یعنی ایک غم کے بعد اس سے سوا غم ہوتا ہے۔ نوحہ مرنے پر رونے کو کہتے ہیں۔ خانہ زاد : وہ غلام جو گھر میں پیدا ہوا ہو یعنی جس کی ماں یا باپ یا دونوں اسی گھر میں غلام رہے ہوں۔

کیا کروں؟ غم ہائے پنہاں لے گئے صبر و قرار
دزد گر ہو خانگی تو پاسباں معذور ہے

میرے اندر جو غم چھپے ہوئے تھے وہ چین کو لے گئے۔ گھر والوں میں سے کوئی چور ہو جائے تو پاسباں نہیں روک سکتا۔ دزدِ خانگی : وہ چور جو ہم خانہ ہو۔

جس جگہ ہو مسند آرا جانشینِ مصطفیٰ
اس جگہ تختِ سلیماں نقشِ پائے مور ہے

جانشینِ مصطفیٰ : حضرت علی۔ جہاں حضرت علی مسند آرا ہوں اس جگہ کا رتبہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ چیونٹی کے پاؤں کا نقش جو نہایت حقیر ہوتا ہے تختِ سلیماں کا ہم رتبہ ہو جاتا ہے۔

واں سے ہے تکلیفِ عرضِ بے دماغی اور اسدؔ
یاں صریرِ خامہ مجھ کو نالۂ رنجور ہے

یہ شعر بہ تبدیلِ ردیف پچھلی غزل میں آچکا ہے۔ محبوب کی طرف سے مجھے اپنی بے دماغی کو لکھ کر بھیجنے کی تکلیف دی گئی ہے یہاں یہ حال ہے کہ چٹھی لکھنا بار دہ ہے قلم کی آواز مریض کے نالے کی طرح ناگوار ہے۔

(۲۱۵)

اے خیالِ وصل نادر ہے مئے آشامی تری
پختگی ہائے کبابِ دل ہوئی خامی تری

خیالِ خام اس خیال کو کہتے ہیں جو پورا ہونے والا نہ ہو۔ شراب کے ساتھ کباب کھایا جاتا ہے۔ اے خیالِ وصل تو نے انوکھی طرح مے خواری کی۔ تو خام رہا جس کے اثر سے دل جل کر کباب ہو گیا اور پوری طرح جل گیا۔ شراب کون سی ہے یہ شاعر نے ظاہر نہیں کیا۔ غالباً خیالِ وصل سے جو نشے کی کیفیت ہوتی ہے اسی کو شراب کہا ہے۔

رچ گیا جوشِ صفائے زلف کا اعضا میں عکس
ہے نزاکت جلوہ اے ظالم سیہ فامی تری

جسمِ ملیح کے سانولے رنگ کی تعلیل کی ہے۔ کہتے ہیں کہ اصلاً جلد کا رنگ نہایت صاف تھا صفائی کی زیادتی کی وجہ سے زلفوں کا عکس جلد میں رچ گیا اور جلد سیہ فام ہو گئی۔ اس سیہ فامی میں بھی بڑا نزاکت آمیز جلوہ ہے۔

برگ ریزی ہائے گل ہے وضعِ زر افشاندنی
باج لیتی ہے گلستاں سے گل اندامی تری

پھول کی جو پنکھڑیاں جھڑتی ہیں وہ تیرے اوپر سونا نچھاور کر رہی ہیں۔ تو پھول کی طرح نازک و حسین ہے اور تیری گل اندامی باغ سے اس طرح خراج لے رہی ہے

لیکہ ہے عبرت ادیبِ یاوگی ہائے ہوس
میرے کام آئی دلِ مایوس ناکامی تری

عبرت ہوس کی بے ہودگیوں کو ادب آموزی کرتی ہے۔ میری ناکامی نے مجھے بھی ہوس سے باز رکھا اور اس طرح سے مجھے فائدہ پہنچا۔

ہم نشینی رقیباں گرچہ ہے سامانِ رشک
لیکن اس سے ناگوارا تر ہے بدنامی تری

اگرچہ تیرا غیروں کے پاس بیٹھنا بھی میرے لئے جائے رشک ہے لیکن مجھے اس سے زیادہ اس بات کا خیال ہے کہ اس رویے سے تیری بدنامی ہوتی ہے اس لئے تو رقیبوں کے پاس بیٹھنا ترک کر دے۔

سر بہ زانوئے کرم رکھتی ہے شرمِ ناکسی
اے اسدؔ بے جا نہیں ہے غفلت آرامی تری

نالائق آدمی دوسروں کے کرم پر تکیہ رکھتا ہے اس لئے اسدؔ تو نے غفلت میں آرام کیا تو غلط نہیں کیا۔ اہلِ جود و سخا تیرا خیال رکھیں گے۔

(۲۱۶)

ربطِ تمیزِ اعیاں، دُردِ مے صدا ہے
اعمیٰ کو سرمۂ چشم، آوازِ آشنا ہے

اعیاں: عین کی جمع آنکھیں۔ اعمیٰ: اندھا۔ شاعر کے نزدیک آواز سے شناخت کرنا اصل چیز ہے اور آنکھوں سے پہچاننا پست تر۔ اگر آواز کو شراب مانا جائے تو بصارت کو اس کی تلچھٹ۔ اندھے کے لئے واقف کار کی آواز سب سے بڑی پہچان ہے۔ یہ سرمہ چشم ہے یعنی آواز سن کر اسے گویا آشنا کی صورت نظر آجاتی ہے۔ ربطِ تمیزِ اعیاں: آنکھوں سے دیکھ کر پہچاننے کا تعلق۔ خلاصہ یہ ہے کہ واقف کار کی آواز ہی سے شناخت کر لینا چاہیئے۔ اگر صورت دیکھ کر پہچانا تو یہ کمزور تعلق ہوا۔

موئے دماغِ وحشت، سررشتۂ فنا ہے
شیرازۂ دو عالم، یک آہِ نارسا ہے

موئے دماغ: کسی رئیس کا مصاحب جو ناک کا بال ہو۔ وحشت کا لاڈلا سررشتۂ فنا ہے یعنی وحشت زدہ انسان کو فنا کی تمنا رہتی ہے۔ غنیمت یہ ہے کہ اس کی تمنا نارسا رہتی ہے اور اسی سے دنیا کا شیرازہ قائم ہے۔ ورنہ وحشت کا بس چلتا تو سارے دنیا کا شیرازہ بکھیر کر سب کچھ فنا کر دیتی۔

دیوانگی ہے تجھ کو درسِ خرام دینا
موجِ بہار یکسر زنجیرِ نقشِ پا ہے

تجھے خرام سکھانے کی کوشش دیوانگی ہے۔ موجِ بہار یہی کرنا چاہتی ہے لیکن اس کی کیا حالت ہے۔ وہ ایک زنجیر کی طرح ہے جو اسی کے نقشِ پا میں پہنائی ہوئی ہے۔ چونکہ موجِ بہار نے تجھے خرام سکھانے کی دیوانگی کی تھی اس لئے اس کے پاؤں میں زنجیر پہنانا ضروری سمجھا گیا۔ وہ زنجیر خود موجِ بہار ہے۔

آسی نے مصرعِ ثانی کے معنی لکھے ہیں کہ اے محبوب تیرے نقوشِ پا کا سلسلہ زنجیر سے مشابہ ہے اور اس میں موجِ بہار کی کیفیت ہے۔

اس تاویل میں محبوب کے نقشِ پا کو زنجیر قرار دینا نامناسب ہے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ موجِ بہار کی تحقیر کر کے اسے محض نقشِ پا کی زنجیر سے مشابہ کیا جائے۔

پروانے سے ہو شاید تسکینِ شعلۂ شمع
آسائشِ وفا ہا، بے تابیِ جفا ہے

پروانہ وفا کا نمائندہ ہے اور شعلۂ شمع جفا کا۔ وفا شیوہ عاشق آرام سے رہے تو جفا کار محبوب بے تاب رہتا ہے۔ شمع کا شعلہ مضطرب ہے۔ شاید پروانہ اس میں آکر جلے تو اس شعلے کو چین آئے گا کیونکہ وفا پرست کی آسائش جاتی رہے گی۔

اے اضطرابِ سرکش، یک سجدہ وارِ تمکیں
میں بھی ہوں شمعِ کشتہ، گر داغ خوں بہا ہے

تمکیں: شوکت اور رکھ رکھاؤ کو کہتے ہیں۔ میرا اضطراب شمع کی طرح سرکش ہے۔ ضرورت ہے کہ میری تمکین ایک بار سجدہ کی شکل میں ظاہر ہو جیسا کہ شمعِ کشتہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ جل کر خاک ہو جاتی ہے لیکن زندگی بھر سر فرو نہیں کرتی۔ آخر میں بجھ کر جب فرش پر محض اس کا داغ رہ جاتا ہے تو اس کی تمکیں سجدہ وار ہو جاتی ہے۔ یہی میں چاہتا ہوں میں بھی بجھی ہوئی شمع ہوں اور میرے قتل کی قیمت محض وہ داغ ہے جو میں لئے ہوں۔ "گر داغ خوں بہا ہے" یہ ٹکڑا شعر کے معنی کیلئے کوئی خاص مفید یا ضروری نہیں۔

نے حسرتِ تسلی، نے ذوقِ بے قراری
یک درد و صد دوا ہے، یک دستِ صد دعا ہے

آج کل ہماری یہ حالت ہے کہ ہمیں کوئی درد نہیں نہ کوئی بے قراری ہے نہ کسی کی تسلی کی ضرورت ہے۔ ایک ذرا سا درد ہو تو سو دوائیں موجود ہیں۔ ایک ہاتھ اٹھائیں تو سو دعائیں

کر سکتے ہیں جو غالباً مستجاب ہوں گی۔ ایسی حالت میں بھی ایک بے کیفی ہوگی۔

دریائے مے ہے ساقی لیکن خمار باقی
تا کوچہ دادنِ موجِ خمیازہ آشنا ہے

کوچہ دادن: کسی کے لئے راستہ چھوڑنا۔ موجوں کے بیچ جو فاصلہ ہوتا ہے وہ کوچہ دینا ہوا اور اس کی مشابہت انگڑائی سے ہوئی جو خمار کی نشانی ہے۔ غالب نے موج کو بارہا انگڑائی سے تشبیہ دی ہے۔ کہتے ہیں ساقی دریائے مے بھی ہو تو بھی ہمارا خمار باقی ہے۔ دریا کی موجوں میں انگڑائی کی شکل ہوتی ہے جو زوالِ نشہ کی علامت ہے۔

وحشت نہ کھینچ قاتل، حیرت نفس ہے بسمل
جب نالہ خوں ہو غافل تاثیر کیا بلا ہے

اے قاتل وحشت نہ دکھا۔ یہ طنز نہ کر کہ "تیرے نالے کی کیا تاثیر ہوئی"۔ بسمل حیرت زدہ ہو رہا ہے۔ جب اس کا نالہ ختم ہو گیا تو تاثیر کہاں سے آئے گی۔

بت خانے میں اسدؔ بھی بندہ تھا گاہ گہے
حضرت چلے حرم کو، اب آپ کا خدا ہے

بُت خانے میں اسدؔ ایک وفا شعار تابع دار بندہ کی طرح کبھی کبھی نظر آجاتا تھا۔ اب یہ صاحب حرم کو جا رہے ہیں۔ اب خُدا ہی ان کا مالک ہے دیکھیے کیا رنگ پکڑیں۔

(۲۱۷)

گریاں سر نہ کھینچے، تنگی عجب فضا ہے
وسعت گہہِ تمنّا یک بام و صد ہوا ہے

سرکشیدن: سر بالا کردن، ظاہر ہونا۔ تنگی: حالات کا موافق نہ ہونا مثلاً تنگیِ معاش۔ تنگی کی فضا میں بڑا مزا ہے بشرطیکہ یاس شامل نہ ہو جائے۔ بے نوائی کے عالم میں تمنّا کے وسیع میدان کی سیر کر سکتے ہیں۔ یہ ایسا بام ہے جس پر سینکڑوں قسم کی ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔ تصوّر میں سینکڑوں تمنائیں ممکن ہیں اس لئے کسی قسم کی تنگی ہو اس میں ایک خوشگوار پہلو ہے۔

برہم زنِ دو عالم تکلیفِ یک صدا ہے
میناشکستگاں کو کہسار خوں بہا ہے

شعر کے معنی بہت واضح نہیں۔ صدا کے لفظی معنی چاہ و کہسار وغیرہ کی آوازِ بازگشت

کے ہیں گو اب عام آواز کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ میناشکستن: کثرت سے شراب پینا جیسے پوری بوتل پی کر اسے پتھر پر کھینچ مارا جائے۔ ایک آواز دونوں دُنیا کو برہم کر دیتی ہے اور وہ آواز میناشکنی کی ہے۔ بوتل پر بوتل چڑھا کر چھوڑ دینے والوں کو سوگِ مینا کا خوں بہا ہوتا ہے کہسار جہاں سے میناشکنی کی آواز کی صدائے بازگشت آتی ہے۔ ان نشے بازوں کے لئے دونوں دُنیا درہم برہم ہوتی ہیں۔ تکلیفِ صدا: آواز کرنا۔

فکرِ سخن یک انشا زندانیِ خموشی
دودِ چراغ گویا، زنجیرِ بے صدا ہے

فکرِ سخن ایسی انشا ہے جو اسیرِ خاموشی ہے۔ انشا کے معنی تخلیق لئے جائیں تو کہہ سکتے ہیں کہ فکرِ سخن ایسا تخلیق کا کام ہے جو خاموشی کے ساتھ ہوتا ہے۔ رات کو چراغ جلا کر فکرِ شعر کی جاتی ہے اس طرح چراغ کا دھواں فکرِ شعر کی علامت ہوا۔ دودِ چراغ کی مشابہت زنجیر سے ہے لیکن بے آواز زنجیر سے کیونکہ تخلیقِ شعر کے عمل میں کوئی آواز نہیں ہوتی۔

موزونیِ دو عالم، قربانِ سازِ یک درد
مصرعِ نالۂ نَے، سکتہ ہزار جا ہے

سکتہ: شعر میں عدمِ موزونی سے مصرع کا ٹھہرنا یا ٹوٹنا۔ درد میں جو آواز نکالی جاتی ہے اس پر دُنیا بھر کی موزوں آوازیں قربان ہوں۔ بانسری کے نالہ کا مصرع یعنی نے نواز کا راگ بھی نغمۂ درد کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ نے کے راگ میں جگہ جگہ سکتہ معلوم ہوتا ہے۔

درسِ خرام تا کے خمیازۂ روانی؟
اس موجِ مے کو غافل، پیمانۂ نقشِ پا ہے

غافل تو خرام کا طریقہ سکھانا چاہتا ہے لیکن کب تک اسے روانی کی انگڑائی بنائے رہے گا جو نشے کا فقدان ظاہر کرتی ہے۔ محبوب کا خرام موجِ مے کی طرح ہے جس کا نقشِ پا پیمانہ ہے۔ پیمانہ پلا۔ تب چال میں نشہ آئے گا اور محبوب کی چال سے مشابہت ہو گی۔ شعر کے مخاطب کے تعیُّن کی ضرورت نہیں۔

گردش میں لا تجلّی، صد ساغرِ تسلّی
چشمِ تحیّر آغوش، مخمورِ ہر ادا ہے

اے تجلّیِ یار، سکون بخشنے والے سو ساغر گردش میں لا چونکہ حیران آنکھ تیری ہر ادا سے مخمور ہو گئی

ہے۔ مخمور ہوتا بےقراری کی کیفیت ہے اس لئے نشہ بخش ساغر کی ضرورت ہے۔

یک برگِ بے نوائی، صد دعوتِ نیستاں
طوفانِ نالۂ دل تا سطحِ بوریا ہے

بے نوائی کے معنی بے سامانی اور بے آوازی دونوں ہیں اور غالب نے دونوں مراد لئے ہیں۔ برگ = سامان۔ جیسے کوئی مفلس بہت سے مہمانوں کی دعوت کر دے ویسے ہی میں نے (جس کے پاس بے آوازی اور سکوت کا سامان ہے) سینکڑوں نیستانوں کی دعوت کر دی ہے۔ نیستان چونکہ نے کا مخزن ہیں اس لئے نالہ زار ہیں۔ میرا دل نالے کر رہا ہے اور اس کے نالوں کا طوفان سطحِ بوریا تک ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اس کی دو وجوہ ہیں اوّل تو یہ کہ بوریا خود نے سے یعنی بانس سے بنتا ہے دوسرے یہ کہ یہ افلاس کی نشانی ہے اس طرح دونوں معنی میں بوریا بے نوائی کی علامت ہے۔ مراد یہ ہے کہ وسائل کچھ نہیں اور خواہشیں بہت ہیں جس کا انجام نالہ و فغاں کے سوا کیا ہوتا۔

اے غنچۂ تمنا یعنی کفِ نگاریں
دل دے تو ہم بتا دیں مٹھی میں تیری کیا ہے

محبوب نے رنگین ہتھیلی میں دل بند کیا ہوا ہے۔ اسے شاعر غنچۂ تمنا کہتا ہے۔ اے کفِ نگاریں اگر تو ہمارا دل واپس دے دے تو ہم بتا دیں کہ تیری مٹھی میں کیا ہے، ظاہر ہے کہ میرا دل ہے اور کیا ہوتا۔

ہر نالۂ اسد ہے مضمونِ داد خواہی
یعنی سخن کو کاغذ احرامِ مدعا ہے

اسد کا ہر نالہ داد و فریاد کے مضمون پر مشتمل ہے یعنی اسد کی بات یا شعر کے لئے کاغذ قصد کا احرام ہے۔ حاجی کسبِ ثواب کے لئے کپڑے کا احرام باندھتے ہیں۔ ایرانی رسم کے مطابق کاغذ کا لباس پہننا کسی کے خلاف داد خواہی کی نشانی مانا جاتا ہے۔ سخن کا کاغذ پہننا بھی اس لئے احرامِ مقصد ہوا۔ احرام باندھنا یعنی قصد کرنا۔ احرامِ مدعا: مدعا کے حصول کا مقصد کرنا۔

(۲۱۸)

ضبط سے جوں مردمک اسپند اقامت گیر ہے
مجمرِ بزمِ فسردن دیدۂ نخچیر ہے

ہمارے ضبط اور افسردگی کا یہ حال ہے کہ انگیٹھی میں سپند کا دانہ جائے تو وہ بھی نہیں

چٹختا بلکہ مذبوح جانور کی پتلی کی طرح ٹھہرا رہتا ہے۔ افسردہ لوگوں کی بزم میں انگیٹھی شکار کئے ہوئے جانور کی آنکھ کی طرح بےحس و حرکت ہے اور اس میں سپند پتلی کی طرح جامد ہے یہ سب ضبطِ غم کی وجہ سے ہے۔

آشیاں بندِ بہارِ عیش ہوں ہنگامِ قتل
یاں پرِ پروازِ رنگِ رفتہ، بالِ تیر ہے

قتل کے وقت میں مغموم نہیں میرا رنگ پرواز نہیں کر گیا میں تو عیش کی بہار فرض کر کے آشیاں بندی کر رہا ہوں کیونکہ قتل سے بڑی بہار اور عیش کون سا ہو سکتا ہے۔ رنگِ رفتہ کا پر میرے لئے تیر کے پر کی طرح ناگوار ہے اس لئے میں نے رنگ کو اُڑنے ہی نہیں دیا۔ جس طرح بالِ تیر آ کر تیر چبھاتا ہے اسی طرح رنگ کا اُڑنا میرے لئے ناپسندیدہ ہے۔ بالِ تیر: سوفارِ تیر کے پر

ہے جہاں فکرِ کشیدن ہائے نقشِ روئے یار
ماہتاب ہالہ پیرا گردۂ تصویر ہے

گردۂ تصویر: مصور کا خاکہ۔ جہاں دوست کے چہرے کی تصویر بنانے کی فکر کی جائے گی وہاں ہالے والا چاند تصویر کے خاکے کا کام دے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ چہرۂ یار کے سامنے چاند سادہ کاغذ کی طرح بے رنگ ہے۔

وقتِ حسن افروزیِ زینت طرازاں جائے گل
از نہالِ شمع پیدا، غنچۂ گلگیر ہے

گلگیر وہ قینچی جس سے شمع کا گل کاٹا جائے۔ غالباً شمع کے گل کی رعایت سے غالب نے غنچہ پیدا کیا ہے۔ زینت طرازاں: زینت و آرائش کرنے والے حسین۔ حسین لوگ جس وقت حسن کی رونق بڑھا رہے ہوں تو شمع میں گل نہیں پیدا ہوتا بلکہ قینچی کے لئے غنچہ پیدا ہوتا ہے۔ گل تو جلی ہوئی بتی کو کہتے ہیں۔ حسینوں کے اثر سے بجائے گل کے پھول کا غنچہ کیوں نہ پیدا ہو۔ پیڑوں پر غنچے پیدا ہوتے ہی ہیں۔ نہالِ شمع میں غنچہ پیدا ہوا اور مالی کی قینچی کی طرح گل گیر نے غنچہ کاٹا۔

گریہ سے بندِ محبت میں ہوئی نام آوری
لختِ لختِ دل نگینِ خانۂ زنجیر ہے

نسخۂ عرشی میں "مکینِ زانہ" ہے لیکن خود نوشت دیوان میں "نگینِ خانہ" ہے اور یہی صحیح قرأت ہے۔ میں عشق میں رویا۔ دل کے ٹکڑے آنسوؤں کے ساتھ نکلے میری بڑی ناموری

ہوئی کہ بڑا سچا عاشق ہے۔ خانۂ خاتم میں نگین پر نام کھدا رہتا ہے جو مہر کا کام دیتا ہے۔ پے زنجیر بند تھا۔ میرے لختِ دل خانۂ زنجیر میں یوں بیٹھ گئے جیسے خانۂ خاتم میں نگین مہر۔ اس طرح میرے لختِ دل نے نگینِ مہر کی طرح میری شہرت کا کام کیا۔

ریزشِ خونِ وفا ہے جرعہ نوشی ہائے یار
یاں گلوئے شیشہ ہے قبضۂ شمشیر ہے

یار کے لئے وفاداروں کا خون بہانا شراب کے گھونٹ پینے کی طرح ہے اس کے لئے تلوار کا قبضہ شراب کی بوتل کی گردن ہے یعنی اسے خون بہانے میں شراب نوشی کی سی لذت ملتی ہے۔

جو بہ شامِ غم چراغِ خلوتِ دل تھا اسد
وصل میں وہ سوز شمعِ مجلسِ تقریر ہے

سوز کے بعد اضافت نہ چاہیئے۔ سوزِ عشق ہجر کی رات میں دل کی تنہائی میں چراغ کی طرح روشنی کئے ہوئے تھا۔ یہ سوز دلوں کو روشن کرتا ہے۔ وصل میں بھی سوز مجلسِ تقریر کی شمع ہے یعنی میں محبوب کے سامنے بڑی سوز بھری بات چیت کر رہا ہوں۔ اسی سوز کی بدولت میری گفتگو میں تابندگی ہے۔

(۲۱۹)

ذوقِ خود داری خرابِ وحشتِ تسخیر ہے
آئینہ خانہ مری تمثال کو زنجیر ہے

میری تصویر شیشے کے فریم میں جڑ دی گئی (یا میرا عکس آئینے میں نظر آرہا ہے) میری خودداری کو یہ پسند نہیں۔ رہ رہ کے یہ وحشت ہوتی ہے کہ آئینے نے مجھے تسخیر کر کے اپنے اندر اُتار لیا اس لئے مجھے اس صورتِ حال سے وحشت ہوتی ہے اور چاہتا ہوں کہ تصویر آئینے یا شیشے کے قبضے سے نکل آئے۔

ذرہ دے مجنوں کے کس کس داغ کو پردازِ عرض
ہر بیاباں یک بیاباں حسرتِ تعمیر ہے

مجنوں کے دل پر کئی داغ تھے جو دور ہونا چاہتے تھے۔ مجنوں کا جسم خاک ہو کر ذرات میں بدل گیا۔ چنانچہ خاک کے ایک ذرے کے حصے میں مجنوں کے کئی کئی داغ آئے ہیں۔ ذرۂ خاک کس کس داغ کو عرض کا موقع دے۔ ہر داغ زبانِ حال سے فریادی ہے کہ مجھے سنوار کر پیش کرو۔ چونکہ بیاباں کے ہر ذرے میں مجنوں کے داغ موجود ہیں اس لئے پورا بیاباں بلکہ ایک ہی بیاباں کیوں ہر بیاباں شدت سے حسرتِ تعمیر کا طلبی ہے۔ یک بیاباں حسرت بمعنی بہت

زیادہ حسرت۔

میکشِ مضموں کو حسنِ ربطِ خط کیا چاہیئے
لغزشِ رفتارِ خامہ، مستیٔ تحریر ہے

جس کے دماغ میں مضامین کی ریل پیل ہو اسے لکھتے وقت حسنِ تحریر کا کب خیال رہتا ہے۔ قلم کے چلنے میں لغزش (یعنی بدخطی) میں بھی مستیٔ تحریر کی کیفیت ہے۔

خانمانِ جبریاں، غافل از معنی خراب
جب ہوئے ہم بے گنہ رحمت کی کیا تقصیر ہے

جبریاں: وہ لوگ جو انسان کو ہر فعل میں مجبور مانتے ہیں۔ غافل از معنی: اندرونی حقیقت سے ناواقف۔ ہم پر نزولِ رحمت نہیں ہوا۔ نظریۂ جبریہ عقیدہ رکھنے والے کہتے ہیں کہ "دیکھئے انسان کے ہر فعل کی ذمہ داری تو خدا پر ہے۔ پھر بے چارے غالب کو اس کے اعمال کے باعث کیوں گنہگار مانا گیا اور اس پر رحمتِ الٰہی کیوں نہ نازل ہوئی۔" یہ لوگ حقیقت سے واقف نہیں۔ جب ہم بے گناہ ہیں تو رحمت کیوں نازل ہو۔ اس کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ جبری خواہ مخواہ شکوہ کرتے ہیں ان کا خانماں خراب ہو۔

چاہے گر جنت، جز آدم وارثِ آدم نہیں
شوخیٔ ایمانِ زاہد سستیٔ تدبیر ہے

زاہد اگر جنت چاہتا ہے تو اسے جاننا چاہیئے کہ آدم کا وارث آدم ہی ہو سکتا ہے جنت آدم کی میراث ہے اس لئے ہمیں جنت میں داخلہ تو ملنا ہی ہے۔ زاہد اپنے ایمان کی تیزی جو دکھا رہا ہے یہ تدبیر کی سستی ہے۔ اسے خاموش بیٹھ رہنا چاہیئے۔ جنت تو ہر اولادِ آدم کا حق ہے ہی۔

شب دراز و آتشِ دل تیز یعنی مثلِ شمع
مہ ز سر تا ناخنِ پا، رزقِ یک شب گیر ہے

شبگیر: نالۂ شب گیر۔ وہ نالہ جو آدھی رات کے بعد سے کیا جائے۔ رات لمبی ہے دل کی آگ تیز ہے وہ اتنی اونچی ہے کہ چاند تک پہنچ رہی ہے۔ ایک نالۂ شبگیر بلند ہوگا اور چاند کو سر سے پاؤں تک آگ میں لپیٹ لے گا۔ جیسے شمع کو شعلہ کھا جاتا ہے اس طرح چاند کو جلتا ہوا نالہ کھا لے گا۔

آب ہو جاتے ہیں ننگِ ہمتِ باطل سے مرد
اشک پیدا کر اسدؔ گر آہ بے تاثیر ہے

اگر ہمت کامیاب نہیں ہوتی یعنی باطل رہ جاتی ہے تو مرد شرم سے آب آب ہو جاتے ہیں اگر آہ نے تاثیر نہیں کی تو آب ہو کر آنسو پیدا کر۔ وہ کارگر ثابت ہوں گے۔

(۲۲۰)

یہ سرنوشت میں میری ہے اشک افشانی
کہ موجِ آب ہے ہر ایک چینِ پیشانی

میری قسمت میں اتنا آنسو بہانا لکھا ہے کہ آنسوؤں کی وجہ سے میری پیشانی غرقاب رہتی ہے اور میرے ماتھے کی ہر شکن موجِ آب معلوم ہوتی ہے۔

جنونِ وحشتِ ہستی یہ عالم ہے کہ بہار
رکھے ہے کسوتِ طاؤس میں پرافشانی

ہستی کے قالب میں آکر وحشت خیزی کا ایسا زور ہو رہا ہے کہ بہار طاؤس کے جامے میں کو بہ کو ہوئی اور پرواز کر رہی ہے۔ طاؤس کی رنگینی کے پیشِ نظر اسے مجسم بہار قرار دیا۔ طاؤس صحرائی پرندہ ہے اس لئے اسے وحشت کی نشانی مانا۔

لبِ نگار میں آئینہ دیکھ آبِ حیات
بہ گمرہیِ سکندر ہے محوِ حیرانی

آبِ حیات نے محبوب کے ہونٹوں کا آئینہ دیکھا تو اسے نظر آیا کہ ان ہونٹوں میں جو حیات بخشی ہے اس کے مقابل خود اس میں (یعنی آبِ حیات میں) کوئی بھی صفت نہیں اس لئے وہ سکندر کی اس گمراہی پر حیران ہوا کہ وہ لبِ نگار کو چھوڑ کر اور کہیں آبِ حیات کی تلاش میں کیوں گیا

نظر بہ غفلتِ اہلِ جہاں ہوا ظاہر
کہ عیدِ خلق پہ حیراں ہے چشمِ قربانی

مذبوح کی پتلی ٹھہر جاتی ہے جسے غالب شدتِ حیرت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ عیدِ قرباں میں مذبوح کی آنکھ اہلِ جہاں کی اس غفلت پر حیراں ہے کہ ہستی کا انجام دیکھتے ہوئے عید اور خوشی کا کیا موقع ہے۔

کہوں وہ مصرعِ برجستہ وصفِ قامت میں
کہ سرو ہو نہ سکے اس کا مصرعِ ثانی

میں محبوب کے طویل قد کی تعریف میں ایسا مصرع کہوں کہ سرو بھی اس کا مصرعِ ثانی نہ ہو سکے یعنی سرو قامتِ یار ہی سے نہیں بیانِ قامتِ یار سے بھی فروتر ہے۔

اسدؔ سے کثرتِ دل ہائے خلق سے جانا
کہ زلفِ یار ہے مجموعۂ پریشانی

چونکہ لوگوں کے اتنے سارے دل ہیں اور یہ ضروری ہے کہ وہ اس کی زلف میں الجھے ہوں گے اس سے اسدؔ نے نتیجہ اخذ کیا کہ یار کی زلف پریشانی کا مجموعہ ہے۔

(۲۲۱)

بے خود زبسکہ خاطرِ بے تاب ہو گئی
مژگانِ باز ماندہ رگِ خواب ہو گئی

رگِ خواب: بہارِ عجم کے مطابق ہر شخص کے بدن میں بعض مقامات ہوتے ہیں کہ انھیں پکڑنے سے یک گونہ بے ہوشی آتی ہے۔ یہی رگِ خواب ہے۔ میری بے تاب طبیعت فرطِ بے تابی سے بے خود و بے ہوش ہو گئی۔ نیند نہ آنے سے جو پلکیں کھلی تھیں وہ رگِ خواب یعنی بے ہوشی آور رگیں بن گئیں۔ رگِ خواب کو پکڑ کر دبا یا جائے تو بے تابی ہوتی ہے۔

آسی نے رگِ خواب کے محاورے کو صحیح نہیں سمجھا۔ شعر کے معنی لکھتے ہیں کہ "میرا دل چونکہ بہت بے قرار ہے اسی وجہ سے میری رگِ خواب بھی مژگانِ باز ماندہ بن گئی ہے یعنی میری حالتِ خواب بھی بیداری بن گئی ہے۔ رگِ خواب ایک اصطلاح ہے جس سے سلسلۂ خواب، یا عالمِ خواب مراد ہے۔"

موجِ تبسمِ لبِ آلودۂ مسی
میرے لئے تو تیغِ سیہ تاب ہو گئی

سیہ تاب: صیقل شدہ لوہے پر لیمو کا عرق لگا کر آگ پر سینکتے ہیں تو سیاہی آجاتی ہے۔ اسے سیہ تاب کہتے ہیں۔ مسی آلودہ لب کی موجِ تبسم مجھے اتنی خوشگوار معلوم ہوئی اور اس نے مجھے اتنا تڑپایا جیسے کوئی سیاہ رنگ کی تلوار۔

رخسارِ یار کی جو کھلی جلوہ گستری — زلفِ سیاہ بھی شبِ مہتاب ہو گئی

یار کے گالوں کا جلوہ جو پھیلا تو کالی زلفیں چاندنی راتوں کی طرح نیم نورانی ہو گئیں۔

بیدادِ انتظار کی طاقت نہ لا سکی ؟
اے جانِ برلب آمدہ بے تاب ہو گئی ؟

اے ہونٹوں پر آئی ہوئی جان تو انتظار کی تکلیف کی تاب نہ لا سکی اور اتنی ہی بے تاب ہو کر ہونٹوں پر چلی آئی ؟

غالب زبسکہ سوکھ گئے چشم میں سرشک
آنسو کی بوند گوہرِ نایاب ہو گئی

غالب۔ آنکھوں میں آنسو یہاں تک سوکھ گئے ہیں کہ آنسو کی بوند نایاب موتی کی طرح ہو گئی۔

(۲۲۴)

ہر رنگِ سوز، پردۂ یک ساز ہے مجھے
بالِ سمندر، آئینۂ ناز ہے مجھے

ساز کا پردہ آواز پیدا کرتا ہے۔ مجھے ہر طرح کا سوز، جلن، غم خوشگوار معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ نغمۂ نالہ پیدا کرتا ہے۔ آگ میں رہنے والے سمندر کا بازو میرے لئے جائے ناز ہے کیونکہ اس میں سوز کی زنتہا ہے اور وہ میرے دل میں نغمہ اُکسائے گا۔ آئینۂ ناز سے مراد ناز کا دکھانے والا، آئینہ دارِ ناز ہے۔

طاؤسِ خاک حسنِ نظر باز ہے مجھے
ہر ذرہ چشمکِ نگہِ ناز ہے مجھے

ذراتِ خاک کو طاؤس سے تشبیہہ دی کیونکہ بعض اوقات ان میں ابرق کی سی چمک ہوتی ہے۔ حسنِ نظر باز: نظر ڈالنے والا حسین۔ خاک کے ذرے میرے لئے ایسے حسین کی طرح ہیں جو نگاہِ ناز سے اشارے کر رہا ہے۔

آغوشِ گل ہے آئینۂ ذرہ ذرہ خاک
عرضِ بہار، جوہرِ پرواز ہے مجھے

پرواز: تمہید، اُٹھان۔ جوہرِ پرواز: داغ بیل ڈالنے کا جوہر۔ خاک ہر چیز کا مادہ ہے اس لئے یہ ابتدائی جوہر ہوا۔ چونکہ ذرۂ خاک کو آئینہ کہا ہے اس لئے جوہر کا تصور پیش کیا۔ خاک کے چمکدار ذرے آئینے کی طرح ہیں۔ میرے لئے یہ آغوشِ گل کی مانند ہیں اس طرح جوہرِ خاک میرے

لئے بہار کا منظر پیش کرتا ہے۔

ہے بوئے گل غریبِ تسلّیٔ گہرِ وطن
ہر جزوِ آشیاں، پرِ پرواز ہے مجھے

وطن تسلّی و راحت کی جگہ ہے۔ بوئے گل کا اور میرا ایک ہی وطن ہے، باغ جس میں میرا آشیانہ تھا۔ بوئے گل وطن سے باہر اجنبی کی طرح آئی ہے اور مجھے وطن اور آشیاں کی یاد دلاتی ہے۔ آشیاں میں بوئے گل ایک جزوِ لاینفک تھی آشیاں کا ہر جز مجھے وہاں واپس لوٹنے کیلئے پرِ پرواز عطا کرتا ہے اس لئے بوئے گل بھی مجھے آشیاں کی طرف جانے کیلئے اُکساتی ہے۔

ہے جلوۂ خیال، سویدائے مردمک
جوں داغ، شعلہ، سرخطِ آغاز ہے مجھے

سرخط: سرمشق، قبالے کے علاوہ اس تحریر کو بھی کہتے ہیں جو مشقِ خط کیلئے لکھی جائے۔ سویدائے مردمک سے مراد آنکھ کی پتلی کا تل ہے۔ چونکہ شعلہ جل بجھ کر داغ کی شکل پکڑ لیتا ہے۔ اس سے غالب نے خیال پیدا کیا کہ آنکھ کا تل وہ داغ ہے جو خیال کے شعلے سے پیدا ہوا ہے خیال کی چمک آنکھوں میں دکھائی دیتی ہے۔

وحشت بہارِ نشہ و گل ساغرِ شراب
چشمِ پری شفق کدۂ راز ہے مجھے

وحشت میرے لئے مستی کی بہار ہے۔ صحرا میں سیر کرتے ہوئے پھول جو نظر آتے ہیں وہ جامِ شراب ہیں۔ پری کی آنکھ راز کی رنگین دنیا ہے۔ پری کا تعلق جنگل آفرینی سے ہے۔ ساتھ ہی پری سے مراد حسینہ ہے جس کی آنکھ میں کیا کیا راز بھرے رہتے ہیں۔ شفق کدہ رنگین آنکھ کو کہیں گے۔ شفق خوش منظر ہوتا ہے اس لئے خوشنما آنکھ بھی شفق کدہ ہو جائے گی۔ وحشت، گل اور چشمِ پری تینوں چیزوں میں صحرائیت مشترک ہے۔

فکرِ سخن بہانۂ پردازِ خامشی!
دودِ چراغ سرمۂ آواز ہے مجھے

چونکہ شاعر رات کو شعر کہتا ہے اس لئے غالب کے یہاں دودِ چراغ فکرِ سخن کی علامت ہے فکرِ سخن میرے لئے خامشی اختیار کرنے کا بہانہ ہے۔ چراغ کا دھواں میرے لئے سرمہ بن گیا جسے کھانے سے آواز جاتی رہتی ہے۔ یعنی میں فکرِ شعر میں اتنا کھویا رہتا ہوں کہ لوگوں سے بات چیت

بھی نہیں کرتا۔ ہے خامہ فیضِ بیعتِ بیدل بکف ، اسدؔ

یک نیستاں قلمروِ اعجاز ہے مجھے

بیعت کسی کے ہاتھ پر کی جاتی ہے۔ یک نیستاں، کثرتِ مقدار ظاہر کرنے کی ترکیب ہے میرے ہاتھ میں قلم جو ہے وہ بیدل سے بیعت کرنے کی نشانی ہے۔ یہ میرے لئے اعجاز کی عملداری کی دُنیا ہے۔ یعنی قلم سے میں اعجاز کی مملکت پیدا کرتا ہوں۔

(۲۲۳)

نگاہِ یار نے جب عرضِ تکلیفِ شرارت کی

دیا ابرو کو چھیڑ اور اس نے فتنے کو اشارت کی

نگاہِ یار نے ابرو کو چھیڑ کر شرارت کی تکلیف دی۔ ابرو نے فتنے کو اشارہ کیا اور پھر فتنے کا بازار گرم ہوگیا۔

روانی موجِ مے کی، گر خطِ جامِ آشنا ہووے

یکے کیفیت اس سطرِ تبسم کی عبارت کی

تبسم کو موج اور بحر سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ یہاں سطر سے مشابہ کیا ہے۔ موجِ شراب کی روانی اگر جامِ شراب کے خط سے واقف ہو جاوے تو دونوں مل کر محبوب کے تبسم کا بیان لکھ سکتے ہیں یعنی تبسمِ محبوب میں موجِ مے اور خطِ جام دونوں کی کیفیت ہے۔

شہِ گل نے کیا جب بندوبستِ گلشن آرائی

عصا اپنے سبز دے نرگس کو دی خدمت نظارت کی

نظارت : نگہبانی۔ نظر رکھنا۔ وزارت کا عہدہ، ریاست جموں و کشمیر میں کلکٹری کو نظارت کہتے تھے چونکہ نرگس کی تشبیہ آنکھ سے ہے اس لئے اسے ناظر کا عہدہ دیا۔ گل بادشاہ نے جب باغ کی آرائش کا انتظام کیا تو نرگس کو سبز شاخ یا عصا دے کر ناظر کے عہدے پر تعینات کیا۔

نہیں ریزشِ عرق کی اب اسے ذوبانِ اعضا ہے

تب تحلیل نے یہ سبض رگِ گل میں حرارت کی

ذوبان : جب بیماری طول کھینچتی ہے اور موت پاس آجاتی ہے تو ہڈیاں پگھل کر جسم کو رطوبت بہم پہنچانے لگتی ہیں جس کا نتیجہ دستوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ پھول نے محبوب کو دیکھا تو شرمندگی سے اس پر بخار کی کیفیت طاری ہوگئی۔ یہ حرارت اس کی نبض میں اس حد تک سمائی

کہ اسے پگھلا کر رطوبت جاری کر دی۔ یہ عرقِ گل نہیں ٹپک رہا بلکہ ذوبان ہے۔ پھول کا عرق نکالنے کی تاویل ہے۔

زبس نکلا غبارِ دل بہ وقت گریہ آنکھوں سے

اسدؔ کھائے ہوئے سرمے نے آنکھوں میں لصبارت کی

غم، شکوہ، گھٹن کو غبار سے تشبیہ دیتے ہیں۔ یہ نکل جائے تو نظر وسیع اور کشادہ ہو جاتی ہے۔ غبار کی مماثلت سرمے سے بھی ہے۔ سرمہ کھانے سے آواز جاتی رہتی ہے لیکن آنکھوں میں لگانے سے روشنی بڑھتی ہے۔ ہم نے غبارِ غم کا سرمہ کھایا ہوا تھا جس کی وجہ سے گم سم رہتے تھے یہ غبار دل میں جاگزیں ہوگیا تھا۔ ہم روئے تو آنکھوں کی راہ یہ غبار نکلا نہ صرف یہ کہ آواز کھل گئی۔ بلکہ یہ سرمہ آنکھ میں لگنے سے نظر بھی روشن تر ہوگئی۔

(۲۲۴)

خدایا دل کہاں تک دن بہ صد رنج و تعب کاٹے

خمِ گیسو ہو شمشیر سیہ تاب اور شب کاٹے

سیہ تاب : لوہے پر عرقِ لیمو لگا کر سینکنے سے سیاہ رنگ آجاتا ہے۔ ایسی تلوار کو شمشیرِ سیہ تاب کہیں گے دن سے مُراد دن رات یعنی ایام ہیں۔ خدایا دل رنج و الم کے ساتھ کس طرح وقت گُزارے خصوصاً شبِ فراق کٹنا محال ہو جاتا ہے۔ کاش محبوب کے خمِ گیسو میسر آجائیں وہ کالی تلواریں کر رات کو کاٹ دیں یعنی وہ گیسو میرے پاس ہو جائیں اور میں وصل کی خوشی میں رات گذار سکوں۔ دن اور شب کا تضاد ارادی ہے۔

کریں گر قدرِ اشکِ دیدۂ عاشق خود آرایاں

صدف دندانِ گوہر سے بہ حسرت اپنے لب کاٹے

خود آرا حسین آرائش کیلئے موتیوں کا استعمال کرتے ہیں۔ اگر عاشق کے آنسوؤں کی قدر کریں تو صدف موتیوں کے دانت سے اپنے ہونٹ کاٹے۔ دانتوں سے ہونٹ کاٹنا افسوس کے عالم میں ہوتا ہے۔ اگر حسین آنسوؤں کی قدر کریں تو صدف کو معلوم ہو کہ آنسو اس کے موتیوں سے زیادہ بیش بہا ہیں۔

دریغا وصرلیفِ غم کہ فرطِ ناتوانی سے

بہ قدرِ یک نفس جادہ بہ صد رنج و تعب کاٹے

سانس کا سلسلہ ایک راستہ ہے۔ اس غم کے مریض پر افسوس ہے جو ایک سانس بھر کا راستہ

سو رنج و مصیبت سے کاٹے یعنی جسے ایک سانس لینا بھی بڑی مصیبت ہو۔

یقیں ہے آدمی کو دست گاہِ فقر حاصل ہو
دمِ تیغِ توکّل سے اگر پائے سبب کاٹے

سبب: رسّی، وہ چیز جو دوسری چیز کے ملنے کا ذریعہ ہو۔ اگر آدمی توکّل کی تلوار سے اشیا کو حاصل کرنے کے ذریعوں کو کاٹ دے تو فقر کی قدرت حاصل ہو جائے گی یعنی اشیائے عالم حاصل کرنے کی جدوجہد نہ کرے وسیلے فراہم نہ کرے بلکہ توکل کر کے بیٹھ جائے تو فقر کی دولت حاصل کر لے گا۔ سبب کی رسّی کو توکل کی تلوار کی دھار سے کاٹنا برجستہ تشبیہ ہے۔

اسدؔ مجھ میں ہے اس کے بوسۂ پا کی کہاں جرأت
کہ میں نے دست و پا باہم بہ شمشیرِ ادب کاٹے

میں نے ادب کی تلوار سے اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے ہیں اس لئے میں اس کے بوسۂ پا کی جرأت نہیں کر سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ ادب کی پابندی کی وجہ سے میرے ہاتھ پاؤں کسی بے ادبی کے لئے راضی نہیں ہو سکتے۔

(۲۲۵)

ہوا جب حسن کم، خط بر عذارِ سادہ آتا ہے
کہ بعد از صافِ مے ساغر میں دُردِ بادہ آتا ہے

جب حسن میں کمی ہو جاتی ہے تو حسینوں کے صاف گالوں پر خط نکلنے لگتا ہے جس طرح دردِ شراب میں صاف شراب کے بعد تلچھٹ آتی ہے۔ خط کو دُرد سے تشبیہ دی ہے۔

نہیں ہے مزرعِ الفت میں حاصل غیر پامالی
نظر دانہ، سرشکِ بر زمیں افتادہ آتا ہے

عشق کی کھیتی میں پامالی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ زمین پر گرنے والا آنسو ہی اس کھیتی کا دانہ ہے۔ کاشتکاری میں دانہ زمین میں گر کر پامال ہوتا ہے۔ زمین پر گرنے والا آنسو بھی اس کی طرح پامال ہوتا ہے اس کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ دوسرے مصرع کی نثر ہوگی سرشکِ بر زمیں افتادہ دانہ نظر آتا ہے۔ ترتیبِ الفاظ میں تعقید ہے۔

محیطِ دہر میں بالیدن از ہستی گزشتن ہے
کہ یاں ہر اک حباب آسا شکست آمادہ آتا ہے

دُنیا کے سمندر میں بڑھنا زندگی سے گزرنے کے معنی رکھتا ہے جیسے حباب سمندر میں پیدا

ہو کر بڑھتا ہے اور بڑھتے ہی ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح جو انسان پیدا ہوتا ہے اس کی بالیدگی میں موت پوشیدہ ہے۔

دیارِ عشق میں جاتا ہے جو سوداگری ساماں
متاعِ زندگانی ہا بہ غارت دادہ آتا ہے

سوداگری ساماں: تجارت پیشہ یعنی سوداگر۔ متاعِ زندگانی ہا: کئی زندگیوں کی کمائی یا زندگی کی متاع۔ عشق کے ملک میں جو تجارت کرنے جاتا ہے وہ زندگی کی پونجی لٹا دیتا ہے یعنی جان دے دیتا ہے یا زندگی بھر کی کمائی لٹا دیتا ہے۔

اسدؔ وارستگاں با وصفِ ساماں بے تعلق ہیں
صنوبر گلستاں میں با دلِ آزادہ آتا ہے

اسدؔ آزاد لوگ (فقیر منش) دنیوی سامان کے باوجود اس سے بے تعلق رہتے ہیں مثلاً صنوبر میں پتے وغیرہ ہوتے ہیں لیکن پھر بھی اس کا دل آزاد ہوتا ہے۔ اُردو روایات میں سرو و صنوبر کو آزاد باندھتے ہیں۔

(۲۲۶)

بہ فکرِ حیرتِ رم، آئینہ پردازِ زانو ہے
کہ مشکِ نافہ تمثالِ سوادِ چشمِ آہو ہے

زانو فکر کی علامت ہے کیونکہ زانو پر سر رکھ کر غور کیا جاتا ہے۔ آئینہ حیرت کی نشانی ہے۔ اس شعر میں مشکِ نافہ بہ شکمِ آہو کا ذکر نہیں بلکہ شکمِ آہو سے جدا نافے کا مذکور ہے۔ مشکِ نافہ ہرن کی آنکھ کی سیاہی کی تصویر ہوتا ہے۔ ہرن کی آنکھ کو رم کی فکر رہتی ہے۔ مشک نافے کی خوشبو بھی تیزی سے اُڑتی جاتی ہے اس طرح مشکِ نافہ رم کی فکر یا حیرتِ رم کی فکر میں آئینہ بہ زانو ہے یعنی محوِ فکر و محوِ حیرت ہے۔ مشک نافے کے آئینہ بہ زانو ہونے کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔ بظاہر کوئی وجہِ تشبیہ موجود نہیں۔

ترحم میں ستم کوشوں کے ہے سامانِ خوں ریزی
سرشکِ چشمِ یار، آبِ دمِ شمشیرِ ابرو ہے

آب کے معنی پانی بھی ہیں اور تلوار وغیرہ کی دھار بھی۔ یہ شعر معنی کی اسی دو رنگی پر مبنی ہے۔ ظالموں کے رحم میں بھی خوں ریزی کا سامان ہوتا ہے۔ محبوب کسی پر رحم کھا کر آنکھ سے آنسو بہائے تو وہ آنسو کا پانی نہیں بلکہ شمشیرِ ابرو کی آب ہے یعنی اس سے ابرو میں اور بانکپن اور کاٹ آ جائے گی۔

کرے ہے دست فرسودہ ہوس وہم توانائی
پر افشاندہ در کنج قفس تعویذ بازو ہے

دست فرسودہ: وہ سامان جو استعمال میں لانے کے بعد برباد کر دیا گیا ہو۔ ہوس کسی سامان کو استعمال کر کے ختم کر دے تو اس سے صاحب ہوس کی توانائی کا شائبہ ہوتا ہے۔ کنج قفس میں ہوس پرواز ہوئی۔ جد و جہد میں کچھ پر جھاڑ دئے ان سے مرغ قفس کی توانائی ظاہر ہوئی۔ بازو پر تعویذ بندھا ہو تو یہ بھی طاقت کا اظہار کرتا ہے اس طرح جھڑے ہوئے پر تعویذ بازو کی طرح مظہر قوت ہیں۔

ہوا چرخ خمیدہ ناتواں بار علائق سے
کہ ظاہر پنجۂ خورشید دست زیر پہلو ہے

مفہوم کا زور ناتوانی پر ہے علائق پر نہیں چنانچہ دوسرا مصرع ناتوانی کی تائید میں ہے۔ تعلقات کے بوجھ سے آسمان خمیدہ اور ناتواں ہو گیا۔ کمزور آدمی بالخصوص وہ مزدور جو بوجھ سے لدا ہو ہاتھ کو پہلو پر رکھ کر سہارا دیتا ہے۔ آسمان نے بھی پنجہ خورشید سے ہاتھ زیر پہلو رکھا ہوا ہے یعنی کمر کو سہارا دے رہا ہے۔

اسد تا کے طبیعت طاقت ضبط الم لاوے؟
فغان دل بہ پہلو نالۂ بیمار بدخو ہے

اسد طبیعت کب تک ضبط الم کی طاقت پیدا کرے۔ ہم ضبط نہیں کر سکتے اور فغاں کرنے پر مجبور ہیں۔ میرے پہلو کے ساتھ ساتھ فغاں کرنے والا دل لگا ہوا ہے اور یہ ایسا ناگوار معلوم ہوتا ہے جیسے ہر وقت چلانے والا بدمزاج بیمار۔

(۲۲۷)

خبر نگہہ کو نگہہ چشم کو عدو جانے
وہ جلوہ کر کہ نہ میں جانوں اور نہ تو جانے

تو اس طرح جلوہ ریزی کر کہ نہ مجھے اور تجھے معلوم ہو نہ میرے اعضا کو خبر نگہہ کو نہ بتائے اور نگہہ کو معلوم ہو تو چشم کو نہ بتائے جس طرح دشمنوں سے بات چھپائی جاتی ہے اس طرح خبر نگہہ سے اور نگہہ چشم سے راز رکھے۔ جلوہ غیر محسوس روحانی طریقے پر منعکس ہو جائے۔

نفس بہ نالہ رقیب و نگہہ بہ اشک عدو
زیادہ اس سے گرفتار ہوں کہ تو جانے

تو مجھے جتنا پھنسا ہوا سمجھتا ہے میں اس سے کہیں زیادہ شکنجے میں ہوں۔ سانس سے نالہ کیا جاتا ہے اور آنکھ یا نگاہ کے مقام سے آنسو بہائے جاتے ہیں لیکن میرا سانس نالے کا دشمن ہے اور نگہہ آنسو کی دشمن گویا ایک کشاکش کا عالم ہے۔

بہ کسوت عرق شرم قطرہ زن ہے خیال
مباد، حوصلہ معذور جستجو جانے

قطرہ زن: دوڑتا ہوا۔ ہمارا خیال دراصل جامد ہو کر رہ گیا ہے لیکن ایسا ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ اسے شرم کی وجہ سے جو پسینہ آ رہا ہے وہ اس عرق شرم کے لباس میں قطرہ زن ہے۔ قطرہ زن کے لفظی معنی قطرہ ٹپکانے والا اور مجازی معنی دوڑنے والا ہے۔ شعر اسی لفظی الٹ پھیر پر مبنی ہے۔ ہمارا خیال عرق شرم کے پردے میں دوڑ رہا ہے تاکہ حوصلہ اسے جستجو کے باب میں معذور نہ سمجھے۔ یعنی خیال دراصل معذور ہے لیکن عرق شرم بہا کر یہ ظاہر کر رہا ہے کہ بڑی دوڑ دھوپ کی ہے۔

جنوں فسردۂ تمکیں ہے، کاش عہد وفا
گداز حوصلہ کو پاس آبرو جانے

کسی نے تمکین کو محبوب سے منسوب کیا ہے میرے خیال میں عاشق کی تمکین کا ذکر ہے۔ محبوب نے کہا کہ تمہارے جنوں سے تمہاری اور میری آبرو پر حرف آتا ہے۔ اگر مجھ سے وفا کرنا چاہتے ہو تو عہد کرو کہ حوصلے سے کام لو گے اور تمکین یعنی استقلال برقرار رکھو گے۔ ہم اسی طرح رہ رہے ہیں لیکن اس تمکین نے جنون کو افسردہ کر دیا ہے۔ کاش محبوب سے باندھا ہوا عہد وفا حوصلے کو پگھلا کر ختم کر دینے کو شان آبرو جانے تاکہ ہم کھل کر جنوں کی داد دیں۔

نہ ہووے کیونکہ اسے فرض قتل اہل وفا
لہو میں ہاتھ کے بھرنے کو جو وضو جانے

جو خون میں ہاتھ بھرنے کو اتنا اچھا کام سمجھتا ہو جیسے وضو کرنا وہ اہل وفا عاشقوں کو قتل کرنا بھی نماز کی طرح فرض جانے گا۔

زباں سے عرض تمنائے خامشی معلوم
مگر وہ خانہ برانداز گفتگو جانے

خانہ برانداز: گھر لٹانے والا، محبوب۔ زباں سے خامشی کی عرضِ تمنا معلوم ہے۔ یعنی ہماری خاموشی زبان سے کام نہیں لے گی۔ خامشی کی عرضِ تمنا یعنی میری خاموشی کے نیچے وہی تمنا کا اظہار گی۔ ہاں وہ خانہ براندازِ گفتگو (یعنی بہت بولنے والا محبوب) ہماری خاموشی ہی سے اظہارِ مطلب سمجھ لے تو سمجھ لے۔ آسی نے اس شعر کے معنی یوں لکھے ہیں۔

"یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ کبھی میری خاموشی زبان سے تمنا کرے گی بس اب تو اسی طرح کام چل سکتا ہے کہ وہ خانہ برانداز میری خامشی کو بھی گفتگو سمجھ لے"۔ میں خانہ برانداز پر اضافت لگانا بہتر سمجھتا ہوں۔ اپنی خامشی کا تضاد اس کی شگفتہ بیانی سے کیا ہے۔

مسیحِ کشتۂ الفت ببر علی خاں ہے
کہ جو، اسد، تپشِ نبضِ آرزو جانے

معلوم نہیں ببر علی خاں کون بزرگ ہیں۔ بہر حال عشق کے مارے کے جاں بخش مسیح یہی ہیں جو آرزو کی نبض سے تڑپنے سے واقف ہیں۔

(۲۲۸)

دیکھ تری خوئے گرم، دل بہ تپش رام ہے
طائرِ سیماب کو شعلہ رگِ دام ہے

تیری گرم مزاجی کو دیکھ کر میرے دل نے طے کیا کہ ایسے غضب ناک محبوب سے رجوع کرنے سے بہتر یہ ہے کہ دور رہ کر تڑپا جائے۔ چنانچہ دل اب بے قراری سے راضی ہو گیا ہے۔ یہ تڑپنے والا دل سیماب کے پرندے کی طرح ہے اور اس کی گرم طبیعت شعلہ۔ سیماب شعلے سے دور رہنا چاہتا ہے۔ میرے دل کا طائرِ سیماب تمہارے شعلۂ مزاج کو تارِ دام مان کر اس سے گریزاں ہے۔

آسی نے دوسرے معنی لکھے ہیں اور وہ بھی ممکن ہیں "تیری خوئے گرم دیکھ کر میرا دل مطیعِ تپش ہو گیا ہے گویا طائرِ سیماب شعلے کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ طائرِ سیماب دل ہے اور دامِ شعلہ اس کی خوئے گرم"

میرے معنی کے مطابق دل اس کی خوئے گرم سے گریزاں ہے اور آسی کے مطابق اس پہ راضی ہو گیا ہے۔

شوخیِ چشمِ حبیب فتنۂ ایام ہے
قسمتِ بختِ رقیب گردشِ صد جام ہے

محبوب کی آنکھ کی شوخی زمانے میں فتنہ بپا کرنے والی ہے اس کے باوجود جہاں تک رقیب کا تعلق ہے اس کی قسمت گردشِ صد جام سے بہرہ مند اور کامراں ہے اور ظاہر ہے کہ یہ چشمِ حبیب کا فیض ہو گا۔ قسمتِ بخت میں ایک لفظ زائد ہے۔

جلوۂ بینش پناہ، بخشے ہے ذوقِ نگاہ
کعبۂ پوشش سیاہ، مردمک احرام ہے

محبوب کا جلوہ بینائی کو پناہ دیتا ہے عاشقوں کو نگاہ کرنے کا ذوق دیتا ہے۔ یہ جلوہ سیاہ پوشش والا کعبہ ہے جس کی زیارت کرنے کے لئے چشمِ عاشق پتلی کا احرام باندھ کر جا رہی ہے جلوہ کو سیاہ پوش ملنے کا سامان کہاں سے پیدا کیا جائے۔ غالباً بینش پناہی سے۔ بینش آنکھ سے نکلتی ہے جو سیاہ ہوتی ہے۔ بہت سے لوگوں کی بینائی کا مرجع ہونے کی وجہ سے جلوہ بھی سیاہ پوش ہو گیا۔ چونکہ کعبے کا غلاف سیاہ ہوتا ہے اس لئے جلوہ کو بھی غالب نے زبردستی سیاہ پوش کر دیا۔ عاشق کی مردمک احرام ہے کس کا احرام؟ نگاہ یا بینش کا جو اس کعبے میں حج کے لئے جا رہی ہیں۔

کو نفس وجہِ غبار؟ جرأتِ عجز آشکار
در تپش آبادِ شوق، سرمہ، صدا نام ہے

ہم عشق میں بہت تڑپ رہے ہیں۔ دل میں بڑا غبار بھرا ہے۔ سوچتے ہیں محبوب سامنے آئے تو قوتِ تنفس سے کام لے کر خوب خوب بولیں اور غبارِ شکوہ اگل دیں۔ لیکن کہاں کا نفسِ گفتگو اور کہاں کا غبار۔ عجز و معذوری کی جرأت ظاہر ہے۔ یعنی ہے ہی نہیں۔ عشق کے تپش زار میں سرمہ صدا کے نام سے چلتا ہے۔ سرمہ کھانا خاموشی ظاہر کرتا ہے۔ دل میں غبار ہے تو وہ سرمہ ہوا جو خاموشی پر مجبور کرے گا۔ اسی کو صدا کہنا چاہو تو کہہ لو۔

غفلتِ افسردگی، تہمتِ تمکیں نہ ہو
ہے ہمہ خوابِ گراں، حوصلہ بد نام ہے

تمکیں: استقلال، ضبط۔ اس میں اندیشہ یہ ہے کہ عاشق کو عشق سے عاری سمجھ لیا جائے اور اس کے حوصلے پر حرف آئے۔ کہتے ہیں میں افسردگی اور مایوسی کی وجہ سے غفلت کے عالم میں ہوں خلق اسے ضبط نہ سمجھ بیٹھے جو جوشِ عشق کی کمی ظاہر کرتا ہے۔ اے غفلت یا بے ہوشی کی گہری نیند تیری وجہ سے میرا حوصلہ بد نام ہے۔ اٹھ اور ذرا شور شرابہ کر، تا کہ مجھے بھی اول درجے کا عاشق مانا جائے۔

پاس زمین کر دینے ہی میں ہے۔

(۲۴۰)

دل لاعبث ہے تمنائے خاطر افروزی
کہ بوسۂ لب شیریں ہے اور گلو سوزی

گلو سوزی : بہت میٹھی چیز کو کھانے کے بعد کی کیفیت۔ چونکہ میٹھے کے بعد گلے میں پیاس لگتی ہے اس لئے گلو سوزی کہا گیا۔ لفظی معنی گلے کا جلنا ہیں جو غیر مستحسن حالت ہے۔ اے دل طبیعت کے خوش ہونے کی تمنا فضول ہے۔ محبوب کے میٹھے ہونٹوں کا بوسہ لینے کے بعد بھی راحت نہ ملے گی بلکہ مٹھاس کے سبب گلو سوزی ہوگی۔ گلو سوزی یعنی گلے کا جلنا دل افروزی کا موجب نہیں ہو سکتا۔

طلسم آئینہ، زانوئے فکر ہے غافل
ہنوز حسن کو ہے سعی جلوہ اندوزی

زانو پر سر رکھ کر فکر کیا جاتا ہے۔ زانو اور آئینے کا تعلق ہے کیونکہ زانو پر آئینہ رکھتے ہیں۔ آئینہ فکر پیدا کرنے والے زانو کی طرح ہے جس کے سہارے حسین لوگ اپنی دل کشی کو بڑھانے کی فکر کر رہے ہیں۔ آرائش کے وقت آئینہ دیکھ کر جلوہ افزائی کی کوشش کی جاتی ہے اس کوشش کو زانوئے فکر قرار دیا جا ئے۔

ہوئی ہے سوزشِ دل لیک داغِ بے اثری
اُگی ہے دودِ جگر سے شبِ سیہ روزی

دودِ جگر : آہ۔ سیہ روزی : مصیبت زدگی۔ سوزشِ دل کا محبوب پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ بے اثری سے داغ ہے یعنی صدمہ زدہ ہے۔ جگر کے دھوئیں نے آفت زدگی کی رات پیدا کر دی ہے یعنی ہماری آہ بے اثر ہے اور ہم رنج و قلق میں گذار رہے ہیں۔

بہ پرفشانیِ پروانۂ چراغِ مزار!
کہ بعد مرگ بھی ہے لذتِ جگر سوزی

میں چراغِ قبر پر جلنے والے پروانے کے پر جھاڑنے کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مرنے کے بعد بھی مجھے جگر سوزی کی لذت کا احساس ہے۔ ظاہر ہے کہ پروانے کے جلنے سے جگر سوزی کی یاد تازہ ہو جاتی ہوگی۔

تپش تو کیا نہ ہوئی مشقِ پرفشانی بھی
رہا میں ضعف سے شرمندۂ نو آموزی

چاہیئے یہ تھا کہ میں خوب پرواز کرتا اور تڑپتا بے قرار ہوتا لیکن ضعف کی وجہ سے یہ حال ہوا کہ اُڑنا شروع کیا تھا اور بس نو آموزی ہی کی حالت رہی۔ پرفشانی میں کامل نہ ہو سکا۔

اسد ہمیشہ پئے کفشِ پائے سیم تناں
شعاعِ مہر سے کرتا ہے چرخ زردوزی

اسد چاندی جیسے بدن والوں کی جوتی کیلئے آسمان سورج کی کرنوں سے زردوزی کرتا رہتا ہے۔ آسمان اور سورج کو سیم تنوں کی ملازمت میں دکھایا ہے۔

(۲۴۱)

محوِ آرامیدگی سامانِ بے تابی کرے
چشم میں توڑے نمکداں تا شکر خوابی کرے

آنکھ میں نمکداں توڑنا: آنکھ میں نمک چھڑکنا جس سے درد پیدا ہوگا۔ شکر خوابی: میٹھی نیند۔ اذیت پرست عاشق الٹی طبیعت کا ہوتا ہے۔ اسے درد میں آرام ملتا ہے۔ اسی زاویہ نظر سے کہتا ہے کہ جو آرام کرنا چاہتا ہے وہ بے تابی کے لوازم اکٹھا کرے۔ آنکھ میں بہت سا نمک جھونک لیا جائے تو میٹھی نیند آئے گی۔ نیند آئے یا نہ آئے دل کو تو اطمینان ہوگا کہ ہم آزار کش ہیں۔

آرزوئے خانہ آبادی نے ویراں تر کیا
کیا کروں، گر سایۂ دیوار سیلابی کرے

میں نے گھر کو جتنا بھی آباد کرنا چاہا اتنا ہی ویران ہوا۔ دیوار بنائی جاتی ہے تاکہ گھر کا احاطہ ہو لیکن میرے لئے سایۂ دیوار نمی پیدا کرکے دیوار کی بیخ کنی کرنے والا سیلاب ثابت ہوا۔ کیا کروں اگر میری آبادی میں بربادی پوشیدہ ہو۔

نغمہ ہا وابستۂ یک عقدۂ تارِ نفس
ناخنِ تیغِ بتاں شاید کہ مضرابی کرے

تیغ ناخن سے مشابہ ہوتی ہے اور ناخن مضراب کی طرح تار کو چھیڑتا ہے۔ میرے سانس کے تار میں ایک گرہ پڑی ہے جس میں بہت سے نغمے بند ہیں۔ بتوں کی تلوار اس تار پر مضراب

لیکن ہے صیاد راہِ عشق میں محوِ کمیں

جادۂ رہ سر بسر، مژگانِ چشمِ دام ہے

عشق کے راستے میں صیاد گھات لگائے ہے۔ اس علاقے میں راستے کی لکیر، جال کے حلقے کی رسی ہے جو گرفتار کرنے کے درپے ہے۔ مژگانِ چشمِ دام سے مراد جال کے حلقے کے تار ہیں

لیکن ترے جلوۂ دیدار کا ہے اشتیاق

ہر بتِ خورشید طلعت آفتابِ بام ہے

آفتابِ لبِ بام زوال آمادہ آفتاب کو کہتے ہیں۔ آفتابِ بام میں بھی وہ اشارہ مضمر ہے۔ تیرے جلوۂ دیدار کے اشتیاق میں سورج سے چہرے والے حسین بام پر کھڑے ہیں تاکہ تو گزرے تو دیکھ سکیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ تو تمام حسینوں سے زیادہ حسین ہے۔

مستعدِ قتلِ یک عالم ہے جلادِ فلک

کہکشاں موجِ شفق میں تیغِ خوں آشام ہے

شاعر نے یہ دکھایا ہے کہ دُنیا میں ہر طرف انسان کیلئے سامانِ آزار ہے۔ جلادِ فلک مریخ تارے کو کہتے ہیں۔ جلادِ فلک دُنیا بھر کو قتل کرنے پر تیار ہے۔ دن اور رات کے ملتے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شفق کی ہلکی سُرخی موجود ہوتی ہے اور کہکشاں بھی دھندلا دھندلا نظر آتا ہے۔ اس منظر کو دیکھ کر شاعر نے کہا کہ کہکشاں خون پینے والی تلوار کی طرح ہے۔ چونکہ شفق کی وجہ سے اس میں سُرخی ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ خون بہانے کی شائق ہے۔ کہکشاں اور شفق کا اجتماع مناسب نہیں۔

کیا کمالِ عشق، نقص آبادِ گیتی میں ملے

پختگی ہائے تصور، یاں خیالِ خام ہے

دُنیا نقص کی جگہ ہے۔ یہاں عشق بھی کس طرح کامل ہوسکتا ہے۔ یہاں کسی تصور کی پختگی ایسا خیال ہے جو پورا نہیں ہوسکتا۔

ہو جہاں وہ ساقیِ خورشید رو مجلس فروز

واں اسدؔ تارِ شعاعِ مہر، خطِ جام ہے

جہاں وہ سورج کے چہرے والا ساقی مجلس کی رونق بڑھا رہا ہو وہاں سورج کی کرن خطِ جام بن جاتی ہے یا خطِ جام سورج کی کرن کی طرح ہوتا ہے۔ شعاعِ مہر کو خطِ جام کہنے

بن جائے تو خوب ہو۔ تلوار سے تارِ نفس کو چھیڑا جائے گا تو نتیجہ موت ہوگا۔ شاعر کی مایوسی اس حد تک ہے کہ اپنی جان دے کر ہی نغمہ پیدا ہوسکتا ہے۔

صبح دم وہ جلوہ ریزِ بے نقابی ہو اگر

رنگِ رخسارِ گلِ خورشید، مہتابی کرے

مہتابی: رنگ کا شکستہ ہونا۔ اگر وہ محبوب صبح کے وقت بے نقاب ہوکر جلوہ دکھائے تو سورج کے گال کا رنگ شکستہ ہوجائے۔ آسیؔ نے گلِ خورشید کے معنی سورج مکھی کا پھول لئے ہیں لیکن اس سے جلوہ کی کوئی خاص برتری ظاہر نہیں ہوتی۔ سورج ہی مراد ہے۔ مہتابی کے معنی اُنہوں نے چاندنی پھیلانا لکھے ہیں۔ یہاں یہ مُراد نہیں۔ مہتابی کے ایک معنی رنگ کے شکستہ ہونے کے ہیں اور یہاں اسی کا اطلاق ہوتا ہے۔

زخم ہائے کہنۂ دل رکھتے ہیں جوں مردگی

اے خوشا، گر آبِ تیغِ ناز تیزابی کرے

دل کے پرانے زخموں میں مردہ ہونے کی سی کیفیت آچلی ہے کیا اچھا ہو اگر محبوب کی تیغِ ناز کی آب تیزاب کا سا کام کرے۔ تیزاب سے میل کٹتا ہے۔ آبِ تیغ زخموں پر تیزاب بن کر گرے۔ ظاہر ہے کہ تیزاب، زخم کو اور شدید کردے گا۔ ہاں مُردگی ختم ہوکر زخم میں جلن پیدا ہوجائے گی۔ آب اور تیزاب کے اشتراک پر اس شعر کی بنیاد قائم ہے۔

بادشاہی کا جہاں یہ حال ہو غالبؔ تو پھر

کیوں نہ دلّی میں ہر اک ناچیز نوّابی کرے

جب بادشاہ ہی اتنا کم استطاعت ہو تو پھر دلّی میں چھوٹے موٹے لوگ خود کو نواب کہنے لگیں تو کیا عجب ہے۔

(۲۳۲)

صبح سے معلوم آثارِ ظہورِ شام ہے

غافلاں، آغازِ کار، آئینۂ انجام ہے

صبح سے شام کے ظہور کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ ہر کام کے آغاز میں اس کے انجام کی جھلک نظر آتی ہے۔ اگر لوگ نہیں دیکھ پاتے تو وہ غافل ہیں۔

سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کیف آور ہو گئی ہے بطِ جام کو شعاعِ مہر کہا جائے تو ساقی کی خورشید روئی کا تاثر ہے۔

(۲۴۳)

اے خوشا وقتے کہ ساقی یک خمستاں وا کرے
تار و پودِ فرشِ محفل، پنبۂ مینا کرے

دوسرے مصرع میں مبتدا و خبر کی مختلف ترتیبوں سے دو معنی نکلتے ہیں۔ کیا اچھا وقت ہوگا جب ساقی متعدد خم کھول دے گا اور فرشِ محفل کے تار و پود (تانا بانا) کو پنبۂ مینا کی طرح تر کر دے گا یا پنبۂ مینا اس کثرت سے نکال کر فرش پر ڈالے گا کہ اس روئی ہی سے فرشِ محفل بچھ جائے گا۔ پہلے معنی مرجح ہیں کیونکہ خم کھولنے کا ذکر ہے مینا کا نہیں۔ پنبۂ مینا: صراحی میں ڈاٹ کی روئی۔

گر تبِ آسودۂ مژگاں تصرف وا کرے
رشتۂ پا شوخیِ بالِ نفس پیدا کرے

آسودۂ مژگاں: وہ شخص جس کے دل میں محبوب کی پلکیں آرام کرتی ہیں۔ تبِ آسودۂ مژگاں: وہ بخار جو محبوب کی پلکوں کے عاشق کو ہو۔ تصرف وا کرنا: قبضہ چھوڑنا، گرفت ختم کرنا۔ رشتۂ پا: واضح نہیں کہ کون سا رشتہ مراد ہے۔ بخار میں ٹوٹکے کے طور پر ہاتھ میں رشتہ باندھتے ہیں اور کچھ افسوں پڑھتے ہیں۔ ممکن ہے پاؤں میں بھی رشتہ باندھتے ہوں۔ رشتۂ پا کے دوسرے معنی قیدی پرندے کے پاؤں کی رسّی ہے۔ تیسرے دور از کار معنی نارو کی بیماری کے ہیں جس میں پاؤں میں ایک رشتہ جیسا کیڑا نکلتا ہے۔ یہاں آخر الذکر کا موقع نہیں کیونکہ پہلے مصرع میں تب کا ذکر ہے مژگاں اور رشتہ میں رعایت ہے۔ شعر کے معنی یہ ہوسکے۔ کوئی شخص محبوب کی پلکوں کا منظورِ نظر ہے اسے اگر بخار آیا ہو اور وہ بخار اپنی گرفت ختم کر دفع ہو جائے تو مریض کا رشتۂ پا سانس کی طرح ہمہ تازگی و ہمہ شوخی ہو جائے گا۔ یہ اثر ہے محبوب کی پلکوں کے تعلق کا۔

گر دکھاؤں صفحۂ بے نقشِ زنگ رفتہ کو
دستِ رد، سطرِ تبسم یک قلم انشا کرے

زنگِ رفتہ: جو زنگ چلا گیا ہے۔ ایک زمانے میں میرے صفحۂ خاطر کا صفحۂ حیات پر زنگ تھا۔ اب وہ جاتا رہا ہے اور صفحہ سادہ ہو گیا ہے۔ اگر میں اس صفحے کو دکھاؤں تو

دستِ رد اس پر تبسم کی سطر لکھ دے گا۔ دستِ رد: کسی چیز کو رد کرنے کا اشارہ کرنے والا ہاتھ دستِ رد مسکرا کر یہ کہتا ہے کہ اب یہ زنگ رفتہ تمھیں دوبارہ نہیں ملے گا اور تمھارا صفحہ بے نقش و بے زنگ رہے گا یعنی ماضی میں ہماری زندگی میں جو رونقیں تھیں اب ان کے ملنے کا امکان نہیں۔

جو عزادارِ شہیدانِ نفس دزدیدہ ہو
نوحۂ ماتم بہ آوازِ پرِ عنقا کرے

نفس دزدیدہ: سانس بند کر لینے والا یعنی شہیدوں نے دم سادھ لیا ہے اور سانس بند کر لیا ہے ان کے ماتم کرنے والے کو پرِ عنقا کے ہلنے کی آواز کے ساتھ نوحہ کرنا چاہیے۔ پرِ عنقا کی آواز معدوم ہوگی۔ اس سے ظاہر ہے کہ سکوت زدہ شہیدوں کے ماتم میں نوحہ بھی خموشی سے کیا جانا چاہیے۔

حلقۂ گردابِ جوہر کو بنا ڈالے تنور
عکس گر طوفانیِ آئینۂ دریا کرے

طوفانی: طوفان لانے کا کام۔ آئینۂ دریا: وہ آئینہ جو دریا ہے یعنی دریا کے مانند ہے دریائے آئینہ۔ واضح ہو کہ طوفانِ نوح ایک بوڑھی کے تنور سے نکلا تھا۔

محبوب کا چہرہ اتنا بھبوکا ہے کہ اگر اس کا عکس آئینے میں طوفان لے آئے تو جوہرِ آئینہ جو بھنور سے مشابہ ہے تنور کی طرح تپنے لگے گا۔ چونکہ جوہر دھبوں کی شکل کا ہوتا ہے اس لیے اسے دریائے آئینہ کے گرداب سے تشبیہ دی۔ شعلۂ رخسار کے اثر سے اس بھنور میں آگ کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

یک درِ بروئے رحمت بستہ دورِ شش جہت
ناامیدی ہے خیالِ خانہ ویراں کیا کرے

چھ سمتوں کے گھماؤ نے رحمتِ خدا کے منہ پر دروازہ بند کر دیا ہے یعنی گردشِ زمانہ نے مجھے رحمت سے محروم کر رکھا ہے۔ میں نا امید ہوں۔ خانہ ویران آدمی کا خیال کیا تدبیر کرے کہ درِ رحمت پھر سے کھل سکے۔

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
آسماں سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

جب ہم نے جام و سبو توڑ دیا یعنی استطاعتِ عیش کوشی گنوا دی تھی تو شراب کی بارش بھی ہونے لگے تو ہمیں کیا فیض۔

ناتوانی سے نہیں سر در گریبانی اسد
ہوں سراپا یک قلمِ تسلیم جو مولا کرے

میرا گریبان میں سر ڈالنا کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ مرضیِ مولا کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کی وجہ سے ہے۔

(۲۳۴)

بہارِ تعزیت آبادِ عشق ، ماتم ہے

کہ تیغِ یار ہلالِ مہِ محرم ہے

عشق کا دیار تعزیت کا دیار ہے۔ وہاں کی بہار یہی ہے کہ ماتم ہوتا رہے۔ کیونکہ وہاں تیغِ یار ہلال کی طرح ہے جو نئے مہینے کی ابتدا کی علامت ہوتا ہے۔ وہاں کا ہلال ماہِ محرم ہی کا ہلال ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں قتل و ماتم ہی کا دور دورہ رہتا ہے۔

بہ رہنِ ضبط ہے، آئینہ بندیِ گوہر

وگرنہ بحر میں ہر قطرہ، چشمِ پُرنم ہے

سمندر میں ہر قطرہ آنسو کی طرح رقیق ہے لیکن جس قطرے نے ضبط کیا اور صدف میں ٹھہر گیا وہ موتی بن کر آئینے کی سی آب پا گیا۔ موتی اور بقیہ قطرات آب میں ضبط ہی کا فرق ہے۔

چمن میں کون ہے طرز آفرینِ شیوۂ عشق

کہ گل ہے بلبلِ رنگین و بیضۂ شبنم ہے

باغ میں عشق کا چلن کرنے کا ذمہ دار کون ہے۔ ظاہراً محبوب یعنی پھول ہی ہو سکتا ہے لیکن یہاں تو یہ حال ہے کہ پھول خود ایک رنگین بلبل کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ مشابہت کا مزید ثبوت یہ ہے کہ پھول پر قطرۂ شبنم اس بلبل کے انڈے کی طرح ہے۔ بلبل عاشق ہوتی ہے۔ پھول بلبل نما ہونے کی وجہ سے عاشق ٹھہرا پھر وہ محبوب کون ہے جو عشق آفریں ہے۔

اگر نہ ہووے رگِ خواب صرفِ شیرازہ

تمام دفترِ ربطِ مزاج درہم ہے

رگِ خواب انسان کی اس رگ کو کہتے ہیں جسے دبایا جائے تو بے ہوشی طاری ہو جائے شاعر تو ہمیشہ اذیت اور موت کو سکون اور علاماتِ زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ کہتا ہے اگر رگِ بے ہوشی آڑے آ کر انسان کو بے ہوش نہ کر دے تو مزاج کا پورا دفتر درہم برہم ہو جائے۔ یعنی ہوش کے عالم میں آدمی کی طبیعت پریشان اور منتشر رہتی ہے۔ تمام جسم کو ایک حالت کے تحت لانے والی رگِ غشی ہے۔ آسی رگِ خواب کو بعض نیند کے معنوں میں لیتے اور معنی لکھ گئے کہ نیند سے آدمی کا مزاج بہتر ہو جاتا ہے لیکن اس طرح یہ شعر ہوا کہ مسئلۂ طب۔

اسد بہ نازکیِ طبعِ آرزو انصاف

کہ ایک وہمِ ضعیف و غمِ دو عالم ہے

اسد آرزو کرنے والی طبیعت کی نازکی کو نظر میں رکھ کر انصاف کرو کہ ایک کمزور تصور پر دنیا بھر کا غم ڈال دیا گیا ہے۔ آرزو کرنے والی طبیعت بہت نحیف اور ذکی الحس ہوتی ہے نازکیِ طبعِ آرزو اور وہمِ ضعیف دونوں شعر کہنے والے سے متعلق ہیں۔

(۲۳۵)

غدارِ یار نظر بندِ چشمِ گریاں ہے

عجب کہ پرتوِ خور، شمعِ شبنمستاں ہے

محبوب کا حسین گال عاشق کی آنسو بھری آنکھ میں اسیر ہے۔ گال سورج کے عکس یعنی دھوپ کی طرح ہے چشمِ گریاں شبنم کدہ ہے۔ دھوپ شبنم زار کو ختم کر دیتی ہے۔ اس سے تعاون نہیں کرتی۔ تعجب کی بات ہے کہ گال کی دھوپ آنکھوں کے شبنمستاں میں شمع بن کر رونق افزا ہے۔

ہجومِ ضبطِ فغاں سے مری زبانِ خموش

بہ زنگ بستۂ زہرآب دادہ پیکاں ہے

بزنگ دادہ : زنگ دیا ہوا۔ اسی معنی میں بہ زنگ بستہ ہوگا۔ زنگ بست کے معنی پکے زنگ کے ہیں۔ بہ زنگ بستہ : زنگ پر بستہ ، زنگ پر لائی ہوئی یعنی زنگی ہوئی۔ میں نے بہت ضبطِ فغاں جو کیا ہے تو میری خاموش زبان کا وہ رنگ ہوا ہے جو زہر میں بجھے ہوئے پیکاں کے لگنے سے ہو۔ زہر کے اثر سے بے حس و حرکت اور سبز ہو جائے گی وہی زنگ اب چڑھ گیا ہے۔

قبائے جلوہ فزا ہے لباسِ عریانی

بہ طرزِ گل، رگِ جاں مجھ کو تارِ داماں ہے

عریانی کا لباس یعنی عریانی جلوہ بڑھانے والی قبا ہے۔ پھول کی طرح میرے لئے بھی میری رگِ جاں ہی دامن کا تار ہے اس کے علاوہ کوئی دامن مجھے پسند نہیں۔ پھول کا جسم اور دامن ایک ہی ہوتا ہے یہی کیفیت میری ہے۔ میری رگِ جاں ہی کو تارِ لباس سمجھ لو۔

لب گزیدۂ معشوق ہے دلِ افگار

کہ بخیہ جلوۂ آثارِ زخمِ دنداں ہے

لبِ گزیدہ : لفظی معنی دانت سے کاٹے ہوئے ہونٹ کے ہیں۔ محاورے میں افسوس میں ہونٹ کاٹتے کے ہیں۔ میرا زخمی دل محبوب کا دانتوں سے کاٹا ہونٹ ہے کیونکہ اس پر بخیہ جو کی گئی ہے وہ دانتوں کے زخم جیسی معلوم ہوتی ہے۔ محبوب کو یہ افسوس ہوا ہوگا کہ زخم دل میں ٹانکے لگائے گئے ہیں اس لئے زخمی دل افسوس میں کاٹے ہوئے ہونٹ کی طرح قرار پایا۔ یہاں لبِ گزیدہ لغوی اور مجازی دونوں معنی میں آیا ہے۔

کشودِ غنچۂ خاطر عجب، نہ رکھ غافل
صباخرامیِ خوباں، بہار ساماں ہے

تو سمجھتا ہے کہ دل کی کلی کھل ہی نہیں سکتی لیکن حسینوں کا ہوا میں ٹہلنا بہار لے آتا ہے۔ اس لئے عاشق کے دل کی کلی کھل جانے کے بارے میں کوئی حیرت اور تذبذب نہ رکھ۔

فغاں کہ بہرِ شفائے حصولِ ناشدنی
دماغ نازکشِ منّتِ طبیباں ہے

آسی نے "شفاؤ حصول" لکھا ہے جس سے معنی بہت صاف ہو جاتے ہیں۔ فریاد کہ شفا کیلئے اور ناممکن چیز (شفا) کے حصول کیلئے دماغ طبیبوں کے احسان اٹھاتا ہے۔

ناشدنی : وہ چیز جو ہونے والی نہیں۔

متنِ مطبوعہ سے ایک اور دور کے معنی نکلتے ہیں۔ ناشدنی : نا ہونے کے لائق یعنی موت موت کا حصول شاعر کے نزدیک شفا ہے۔ فریاد کہ موت کے حصول کیلئے دماغ کو طبیبوں کا ناز اٹھانا پڑتا ہے۔ توہم پرست طبائع موت کا نام لینے کی بجائے کچھ ایسے کہیں گی کہیں ناشدنی نہ ہو جائے یعنی موت نہ آجائے۔ طبیبوں پر طنز ہے اور مایوسی بھی ہے کہ علاج کا نتیجہ مرگ کے سوا کچھ نہیں۔

طلسمِ منّتِ یک خلق سے رہائی دی
جہاں جہاں مرے قاتل کا مجھ پہ احساں ہے

میرے قاتل کا مجھ پر دنیا بھر کا احسان ہے کہ اس نے مجھے جان سے گزار کر خلق کے احسان سے رہائی دلائی۔ جہاں جہاں احسان : بہت زیادہ احسان۔

جنوں نے مجھ کو بنایا ہے مدّعی میرا
ہمیشہ ہاتھ میں میرے مرا گریباں ہے

جنوں نے مجھے کو میرا دشمن بنا دیا ہے۔ قاعدہ ہے کہ ایک شخص اپنے دشمن کے گریباں میں ہاتھ ڈال کر اسے چاک کرنا اور لڑنا جھگڑنا چاہتا ہے، میں خود اپنا گریباں پھاڑنے کی فکر میں رہتا ہوں۔

اسد کو زیست تھی مشکل اگر یہ سن لیتا
کہ قتلِ عاشقِ دل دادہ تجھ کو آساں ہے

اسد کو اگر یہ خبر مل جاتی کہ تو عاشق کا قتل آسانی سے کر دیتا ہے تو اسے جینا مشکل ہوتا زندگی موت کی اُمید پر گزار سکے گا۔

(۲۳۶)

شفق بہ دعویِ عاشق گواہِ رنگیں ہے
کہ ماہ دزدِ حنائے کفِ نگاریں ہے

دزدِ حنا : حنا کے بیچ میں کوئی بے رنگ دھبا رہ جاتا۔ شفق کے بیچ میں چاند ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حنا کے بیچ میں دزدِ حنا۔ حنا کس کی ؟ محبوب کے رنگین ہاتھ کی۔ اب شاعر نے دزدِ حنا کے مجازی معنی کے ساتھ لغوی معنی بھی مراد لے کر کہا کہ عاشق نے دعویٰ کیا ہے کہ چاند محبوب کی حنا چرا لے گیا ہے۔ شفق نے اس دعوے کی تائید کی یعنی چاند واقعی دزدِ حنا ہے۔ شعر کے معنی دزدِ حنا کے دو معنوں پر منحصر ہیں۔ دوسری زبان میں ایسے شعر کا ترجمہ کیا جائے تو مہمل ہو کر رہ جائے گا۔

عیاں ہے پائے حنائی برنگِ پرتوِ خور
رکاب، روزنِ دیوارِ خانۂ زیں ہے

خانۂ زیں محاورہ ہے۔ زین کی گول ساخت کیلئے۔ رکاب خانۂ زین کی دیوار میں سوراخ کی طرح ہے۔ سوراخِ دیوار سے دھوپ چھن کر آتی ہے۔ محبوب کا حنائی پاؤں رکاب میں دھوپ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

جبینِ صبحِ اُمیدِ فسانہ گویاں پر
درازیِ رگِ خوابِ بتاں خطِ چیں ہے

کچھ لوگ یہ فسانہ کہتے ہیں کہ حسین ہمیشہ محوِ تغافل نہیں رہیں گے اور عشاق کی طرف توجہ کریں گے۔ اُنھوں نے ان کے التفات کی اُمید لگا رکھی ہے اور ان کی جبینِ صبح

اُمیدِ لطف بیتاب ہے لیکن بتوں کا مسلسل غافل رہنا ان رجا پرستوں کے لئے باعثِ آزردگی ہے۔ رگِ خواب ان کی جبین پر سکوڑ کا نشان بن گئی ہے۔ یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ حسین آخر کار مہربان ہوں گے انھیں غالب نے فسانہ گو کہا ہے۔ رگِ خواب یہاں تغافل کے معنی میں ہے

ہوا نشانِ سوادِ دیارِ حُسن عیاں

کہ خط، غبارِ زمیں خیزِ زلفِ مشکیں ہے

محبوب کا خط، سیاہ زلف کا اُٹھایا ہوا غبار ہے جو زمین سے بلند ہو رہا ہے۔ اس کے معنی دیارِ حسن کے نواح کی نشانی آگئی۔ خط کو غبارِ زمینِ حُسن سے تشبیہ دی اور زلف کو کسی سوار سے۔

(۲۳۶)

جوہرِ آئینہ ساں مژگاں بہ دل آسودہ ہے

قطرہ جو آنکھوں سے ٹپکا سو نگہہ آلودہ ہے

جس طرح جوہرِ آئینہ آئینے کے بطن میں جا ہوتا ہے اسی طرح محبوب کی پلکیں میرے دل میں آرام سے بیٹھی ہیں۔ دل سے نکل کر جو آنسو میری آنکھ سے ٹپکتا ہے وہ محبوب کی نگاہوں سے آلودہ ہوتا ہے۔ چونکہ دل میں پلکیں ہیں اس لئے نگاہیں بھی ہوں گی۔

دام گاہِ عجز میں سامانِ آسائش کہاں

پُرفشانی بھی فریبِ خاطرِ آسودہ ہے

دُنیا عاجزی کی جگہ ہے یہاں آرام کہاں۔ پر جھاڑنا یعنی تعلقاتِ دنیوی کو کم کرنا بھی دل کا ایک فریب ہے اور کچھ نہیں۔ پہلے مصرع میں آسائش سے انکار کر کے دوسرے مصرع میں دل کو آسودہ کہنا تناقض ہے۔ شاید دلِ آسودہ مراد نہیں بلکہ وہ دل جو آسودگی کی تلاش میں ہے۔

آسی اور وجاہت علی سندیلوی نے پُرفشانی سے مراد پرواز یعنی جد و جہد کی ہے کہ جد و جہدِ آسائش سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس کا کچھ حاصل نہیں۔ پُرفشانی ایک محاورہ ہے جس کے معنی ترکِ علائق کرنا ہیں اور عجز کے ساتھ یہ معنی بہت مناسب ٹھہرتے ہیں۔

اے ہوس، عرضِ بساطِ نازِ مشتاقی نہ مانگ

جوں پرِ طاؤس اکثر داغِ مُشک اندودہ ہے

داغ پر مشک چھڑکنا داغ کو اندمال سے باز رکھ کر تازہ رکھنے کے معنی میں ہے۔

لفظی معنی مشک چھڑکی ہوئی یعنی سیاہ۔ پرِ طاؤس بھی دیکھنے میں مشکیں ہوتا ہے۔ کہتے ہیں اے ہوس۔ فرطِ اشتیاق کی بساطِ ناز کی نمائش کی اجازت نہ مانگ طاؤس کے پر کی طرح ابھی تک داغِ شوق بالکل تازہ ہے۔ یعنی اپنے شوق سے کہا ہے کہ اظہار کی ہوس نہ کر۔

ہے ریا کا رتبہ بالاتر تصوّر کردنی

تیرگی سے داغ کی مہ سیم میں اندودہ ہے

ریاکاری کا رُتبہ اُونچا سمجھنا چاہیئے۔ چاند میں داغ کی سیاہی سے چاندی میں تانبے کا میل ہو گیا ہے اس کے باوجود اس ریاکار کا مقام کتنا اُونچا ہے۔

کیا کہوں پرواز کی آوارگی کی کشمکش

عافیت سرمایۂ بال و پرِ نکشودہ ہے

پرواز میں آوارہ گردی کی جاتی ہے اور کشمکش اور پریشانی ہوتی ہے۔ آرام صرف بال و پر نہ کھولنے میں ہے۔ گھر میں عافیت سے بیٹھے رہئے۔

ہے سوادِ خط پریشاں موئی اہلِ عزا

خامہ میرا شمعِ قبرِ کشتگاں کا دودہ ہے

دودہ: چراغ یا شمع کا کاجل۔ میرے خط کی سیاہی ماتم کرنے والوں کے پریشاں بال ہیں اور میرا قلم مقتولین کی شمعِ قبر سے پاری ہوئی سیاہی ہے یعنی میری تحریر میں عزا و ماتم کے سوا کچھ نہیں۔

جس طرف سے آئے ہیں آخر اُدھر ہی جائیں گے مرگ سے وحشت نہ کر راہِ عدم پیمودہ ہے

موت سے کیا ڈرنا۔ عدم کا راستہ ایک بار پہلے کاٹے کیا ہوا ہے۔ اُدھر ہی سے آئے تھے۔ اُدھر ہی جائیں گے۔

پنبۂ مینائی ہی رکھ لو تم اپنے کان میں

مے پرستاں، ناصحِ بے صرفہ گو بیہودہ ہے

مے خوارو! ناصح بے کار بے ہودہ باتیں کرتا ہے۔ تم صراحی کی روئی کان میں رکھ لو تا کہ اس کی باتیں سنائی نہ دیں۔ خود نوشت دیوان میں "مینائے مے" بہتر قرأت ہے۔ معنی میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

کثرتِ انشائے مضمونِ تحیر سے اسدؔ

ہر سرِ انگشت نوکِ خامۂ فرسودہ ہے

میں نے حیرت کے مضمون اس کثرت سے لکھے ہیں کہ قلم کی نوک کی طرح انگلیوں
کے سرے بھی گھس گئے۔ مبالغہ ہے۔

(۲۴۸)

بہر پرورش دل ہمہ سر لطف گستر سایہ ہے
پنجۂ مژگاں بہ طفلِ اشک دستِ دایہ ہے

پلک پنجے سے مشابہ ہوتی ہیں۔ طفلِ اشک کیلئے یہ دایہ کے ہاتھ کی طرح مہربان ہیں پرورش کے معاملے میں یہ مہربانی کرنے والے سائے کی طرح ہیں۔ آنسو کو طفل سے تشبیہ دی ہے۔

فصلِ گل میں دیدۂ خونیں نگاہانِ جنوں
دولتِ نظارۂ گل سے شفق سرمایہ ہے

جنون کی وجہ سے جن لوگوں کی آنکھیں خونیں رہتی ہیں۔ فصلِ گل میں پھولوں کو دیکھ کر شفق سے دامن بھر لیتی ہیں۔ آنکھ کا خونیں ہونا تکلیف کی نشانی ہے اور شفق رنگ ہونا رنگینی و آسودگی کی۔

شورشِ باطن سے یاں تک مجھ کو غفلت ہے کہ آہ
شیونِ دل یک سرودِ خانۂ ہم سایہ ہے

دل کے ہنگامے کی وجہ سے مجھ پر اتنی غفلت اور عدمِ آگاہی طاری ہے کہ اپنے دل کا شور پڑوسی کے گھر کا گانا معلوم ہوتا ہے یعنی اب میں اپنی ذات اور غیر میں فرق نہیں کر پاتا یا میرا دل بھی میرے لئے غیر معلوم ہوتا ہے۔

کیوں نہ تیغِ یار کو مشاطۂ الفت کہوں؟
زخم مثلِ گل سراپا کا مرے پیرایہ ہے؟

میں محبوب کی تلوار کو الفت کی آرائش کرنے والی مشاطہ کیوں نہ کہوں۔ اس نے میرے جسم پر زخم لگایا اور وہ پھول کی طرح میرے جسم کا زیور معلوم ہو رہا ہے۔

اے اسد آباد ہے مجھ سے جہانِ شاعری
خامہ میرا تختِ سلطانِ سخن کا پایہ ہے

اے اسد شاعری کی دنیا میری وجہ سے آباد ہے میرا قلم شاعری کے بادشاہ (یعنی خود شاعری) کے تخت کا پایہ ہے یعنی جہاں میں ہوں وہی ملکِ سخن کا پایۂ تخت یا

دار السلطنت ہے۔

(۲۴۹)

چشمِ گریاں بسملِ شوقِ بہارِ دید ہے
اشک ریزی عرضِ بال افشانیِ امید ہے

ہماری آنکھ کو بہارِ دیدار کا شوق ہے اور اسی شوق کی ماری رو رہی ہے۔ آنسو بہانا دراصل امید کے پروں کا کھلنا ہے یعنی آنسو دیدِ دوست کی امید اور آرزو ظاہر کرتے ہیں۔

دامنِ گردوں میں رہ جاتا ہے ہنگامِ وداع
گوہرِ شب تاب، اشکِ دیدۂ خورشید ہے

سورج جب آسمان سے وداع ہوتا ہے تو رونے لگتا ہے۔ اس کے آنسو آسمان کے دامن میں رہ جاتے ہیں اور وہی رات کو چمکنے والے تارے ہیں تاروں کو گوہرِ شب تاب کہا ہے۔

رتبۂ تسلیم خلّتِ مشرباں عالی سمجھ
چشمِ قربانی، گلِ شاخِ ہلالِ عید ہے

خلّت : محبت۔ جو محبت مشرب ہیں اور رضائے خداوندی کے آگے سرِ تسلیم خم کئے ہیں ان کا مرتبہ اونچا سمجھ۔ عیدِ قرباں کے دن ذبیحہ ایسا ہی الفت شیوہ ہے جو محبت میں جاں بحق تسلیم کرتا ہے۔ اس کی آنکھ کو ہلالِ عیدِ قرباں کی ٹہنی کا پھول سمجھو۔ ہلال کا مرتبہ بلند ہے اس لئے اس کے پھول کا بھی عالی ہوگا۔

کچھ نہیں حاصل تعلق میں بغیر از کشمکش
اے خوشا رندے کہ مرغِ گلشنِ تجرید ہے

تعلقاتِ دنیوی میں پریشانیوں کے سوا کچھ نہیں۔ وہ رند بہت مزے میں ہے جو مجرد ہے جس کے کوئی رشتہ دار نہیں۔ مرغِ گلشنِ تجرید: اکیلے پن کے باغ کی بلبل۔ مجرد عموماً غیر شادی شدہ کو کہتے ہیں۔

کثرتِ اندوہ سے حیران و مضطر ہے اسد
یا علی وقتِ عنایات و دمِ تائید ہے

اسد غموں کی کثرت سے حیران و بے قرار ہے یا علی اس پر عنایات اور اس کی مدد کرنے کا وقت ہے۔

(۲۴۰)

فرصتِ آئینۂ صد رنگ خود آرائی ہے
روز و شب یک کفِ افسوس تماشائی ہے

فرصت: زندگی کا عرصہ۔ زمانِ حیات محبوبِ حقیقی کی طرح طرح سے خود آرائی کا آئینہ ہے لیکن حیات بہت مختصر ہے رات اور دن تماشائی یعنی انسان کے کفِ افسوس ہیں۔ افسوس میں دونوں ہاتھ ملتے ہیں۔ رات گویا ایک ہاتھ کہا اور دن کو دوسرا ہاتھ۔

وحشتِ زخمِ وفا دیکھ کہ سرتا سرِ دل
بخیہ جوں جوہرِ تیغ آفتِ گیرائی ہے

وفا کی وجہ سے دل میں زخم لگا۔ اس میں ٹانکے لگائے گئے لیکن وہ شدید درد پیدا کر رہے ہیں جس طرح جوہرِ تیغ یعنی خود تیغ زخم کیلئے آفت ہوتی ہے اسی طرح ٹانکے دل کو پکڑ کر کس رہے ہیں اور آزار دے رہے ہیں۔ جوہر دھبے یا خطوط کی شکل میں ہوتا ہے۔ بخیہ کی جوہر سے مماثلت ہے۔ گیرائی: پکڑ۔

شمع آسا چہ سرِ دعویٰ و کو پائے ثبات؟
گل صد شعلہ بہ یک جیبِ شکیبائی ہے

ہم کیا دعویٰ استقامت کریں اور ہمیں پائے ثبات کہاں ہے۔ ہمارے صبر کے دامن میں سو شعلوں کے پھول بھرے ہوئے ہیں۔ یعنی زندگی میں ہم صبر بھی کریں تو بھی شعلے ہمیں پھونک دیتے ہیں۔ ہماری حالت شمع جیسی ہے کہ وہ کوئی بلند بانگ دعویٰ کرے تو غلط ہے اسے بھی پائے ثبات نہیں اور اس کے دامن میں بھی شعلہ بھرا ہے۔ شمع کی صورت میں گل کے معنی پھول کی بجائے شعلہ کی جلی ہوئی سیاہی ممکن ہے۔

نالہ خونیں ورق و دل گلِ مضمونِ شفق
چمن آرائے نفس، وحشتِ تنہائی ہے

وحشتِ تنہائی نے نفس کو چمن بنا دیا ہے۔ نالہ خون کے رنگ کا ہے اور دل شفق کے مضمون کا پھول ہے یعنی دل میں رنگینیاں بھری ہیں۔ تنہائی کی وحشت نے پورے وجود کو باغ کے انداز پر ڈھال دیا ہے۔

بوئے گل فتنۂ بیدار و چمن جامۂ خواب | وصل بر رنگِ جنوں کسوتِ رسوائی ہے

جنوں میں کپڑے پھٹے بھی ہوتے ہیں اور ان میں جا بجا خون بھی لگا ہوتا ہے جس کی وجہ سے لباس چمن بن جاتا ہے۔ اس پوشاک کے ساتھ رات کو وصل فرمایا۔ ظاہر ہے سیج پر پھول بچھائے گئے ہوں گے اس لئے کپڑوں میں بوئے گل بس گئی۔ صبح اٹھ کر باہر گئے تو خواب کی پوشاک چمن کی طرح گل بوٹے والی (خون کے دھبوں سے) ہے اور اس میں سے بوئے گل نکل رہی ہے جو فتنہ بن کر سارا راز افشا کر رہی ہے۔ اس طرح رنگِ جنوں کے اوپر وصل کیا جائے تو لباسِ رسوائی بن جائے گا۔

شرم، طوفانِ خزاں رنگِ طرب گاہِ بہار
ماہتابی بہ کفِ چشمِ تماشائی ہے

ماہتابی: ایک قسم کی آتش بازی، ایک رنگ سفید مائل بہ زردی یا شکستہ رنگ۔ اسے طرب گاہِ بہار کے طوفانِ خزاں رنگ یعنی اے بہارِ خزاں رنگ تجھے شرم آنی چاہیئے کہ دیکھنے والی آنکھ کو بس پھیکے رنگ کی ایک ماہتابی میسر ہے یا چشمِ تماشائی کا رنگ ماہتابی کی طرح پھیکا ہے۔ نسخۂ حمیدیہ میں دوسرا مصرع "گل مہتاب کفِ چشمِ تماشائی ہے" تھا یعنی چشمِ تماشائی محض گلِ چاندنی ہے جو ایک چھوٹا سا سفید پھول ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ بہار میں بہار والی بات نہیں

باغِ خاموشیِ دل سے سخنِ عشق اسد
نفسِ سوختہ، رمزِ چمن ایمائی ہے

نفسِ سوختہ: کنایہ ہے خموشی سے، دل کی خاموشی ایک باغ کی طرح ہے جس میں سے عشقیہ شاعری پھوٹ رہی ہے۔ میرا خاموش سانس ایک رمز ہے جو چمن آفرینی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ یہ چمن شعر و سخن سے پیدا کیا جائے گا۔

(۲۴۱)

نوائے خفتۂ الفت اگر بیتاب ہو جاوے
پرِ پروانہ، تارِ شمع پر مضراب ہو جاوے

تارِ شمع: شمع کا دھاگہ جو اوپر سے جلایا جاتا ہے۔ پروانہ خاموشی سے شمع پر گر کر جل جاتا ہے۔ اگر محبت کی سوئی ہوئی آواز بیتاب ہو جائے تو پرِ پروانہ جلتے ہوئے تارِ شمع پر گر کر مضراب بہ تارِ ساز کا کام کرے گا اور تارِ شمع سے آواز پیدا ہو گی یعنی شمع محبت کا جواب دیگی

اگر وحشت عرق افشانِ بے پرواخرامی ہو
بیاضِ دیدۂ آہو کفِ سیلاب ہوجاوے

اگر ہم وحشت میں بے پروائی کے ساتھ بھی چلیں تو اتنا تیز چلیں گے کہ ہمارے پسینے سے سیلاب کا عالم ہوگا اور ہرن کی آنکھ کی سفیدی سیلاب کا جھاگ بن جائے گی۔ ہرن کا رم وحشت مشہور ہے۔ ہمارے معمولی رم کے آگے ہرن ماند پڑجائے گا۔ اگر تیز روی کریں تو خدا معلوم کیا حال ہو۔

زبس طوفانِ آب و گل ہے غافل کیا تعجب ہے
کہ ہر یک گرد بادِ گلستاں گرداب ہوجاوے

شاید یہ شعر غالب نے برسات کی پہلی تیز بارش کے موقع پر کیا ہوگا۔ پانی اور مٹی کا ایسا طوفان ہے کہ ممکن ہے باغ میں آنے والا ہر بگولا پانی کا بھنور بن جائے۔ گرد باد میں مٹی ہے بارش کی شدت سے وہ گرداب میں بدل جائے تو کیا تعجب ہے۔

اثر میں یاں تلک اے دستِ دعا دخلِ تصرف کر
کہ سجدہ قبضۂ تیغِ خمِ محراب ہوجاوے

محرابِ مسجد کو تلوار سے تشبیہ دی اور سجدہ کو اس کے قبضے سے۔ اے دعا مانگنے والے ہاتھ، اثر پر یہاں تک قابو پالے کہ دعائیہ سجدہ، محرابِ کعبہ پر حاوی ہوجاوے محراب سجدہ کے ہاتھ میں ہو یعنی سجدہ تاثیر پر قابض ہو۔

برنگِ گل اگر شیرازہ بندِ بے خودی رہیئے
ہزار آشفتگی، مجموعۂ یک خواب ہوجاوے

پھول متعدد پنکھڑیوں کی وجہ سے آشفتہ ہے لیکن شیرازہ بند ہے۔ ساتھ ہی بے خود و مست معلوم ہوتا ہے۔ اگر پھول کی طرح ہم بھی بے خود رہیں یعنی اپنی ذات کا زیادہ احساس نہ رکھیں تو ہزار پریشانیاں بھی ہمیں خواب راحت بن کر رہیں گی۔

اسدؔ باوصفِ مشقِ بے تکلف خاک گردیدن
غضب ہے، گر غبارِ خاطرِ احباب ہوجاوے

اسدؔ نے بے تکلف خاک ہوجانے کی مشق کی ہے یعنی نہایت عاجزی اختیار کی ہے۔ غضب ہے اگر اس کے باوجود دوستوں کے دل میں رنج کا غبار پیدا کرنے کا باعث ہوجائے۔

(۲۴۲)

تاچند نازِ مسجد و بت خانہ کھینچیے
جوں شمع، دل بہ خلوتِ جانانہ کھینچیے

کب تک دیر و حرم کے چکر میں رہیں۔ جس طرح خلوت میں شمع جلی ہوتی ہے اسی طرح ہم دل کو محبوبِ حقیقی کی خلوت میں لے جائیں یعنی صرف محبت کے راستے کو اختیار کرلیں۔

بہزاد، نقشِ یک دلِ صد چاک عرض کر
گر زلفِ یار کھینچ نہ سکے، شانہ کھینچیے

دوسرے مصرع کے دو معنی ہیں۔ بہزاد، چاک چاک دل کی تصویر بنا۔ (۱) دلِ صد چاک زلفِ محبوب میں پھنسا ہے۔ یار کی زلفوں کو پکڑ کر کھینچ اور ان میں سے دل کو نکال لے۔ اگر زلف کو کھینچنا ممکن نہ ہو تو اس میں شانہ کر، دل نکل آئے گا۔ پھر اس کی تصویر بنانا۔

(۲) دلِ صد چاک سے مشابہ دو چیزیں ہیں زلفِ یار اور شانہ دونوں دل کی طرح چاک ہیں۔ اگر زلف کی تصویر بنانا مشکل ہو تو شانہ کی تصویر کھینچ دے۔ دلِ چاک شدہ کی نمائندگی ہوجائے گی۔

راحت کمینِ شوخیِ تقریبِ نالہ ہے
پائے نظر بہ دامنِ افسانہ کھینچیے

کمین: کمین یا گھات میں بیٹھنے والا۔ پاؤں دامن میں کھینچنا: ترکِ آمد و شد کرنا راحت قربِ نالہ کی گھات میں بیٹھی ہے یعنی راحت نالے میں بدلا چاہتی ہے۔ دنیا میں حقیقت یہی ہے کہ راحت نالے تک لے جاتی ہے۔ اس لئے اب یہی صورت رہ گئی ہے کہ نظر کو افسانے میں کھو دیجئے وہاں راحت باقی رہتی ہے۔ واقعہ کی دنیا میں راحت نالے کا قرب تلاش کرتی رہتی ہے۔ دامنِ افسانہ میں پائے نظر کھینچنا: خیالی دنیا میں رہنا۔

زلف پری بہ سلسلۂ آرزو رسا
یک عمر، دامنِ دلِ دیوانہ کھینچیے

دامن کھینچنا: باز رکھنا۔ حسین محبوب کی زلف آرزو کے سلسلے کے برابر پہنچی ہوئی ہے۔ آرزو کبھی اس سے دور نہیں ہوسکتی۔ دل زلف کے پاس جاتا رہے گا اور دیوانۂ عشق رہے گا۔ عمر بھر اسے عشق سے باز رکھنے کی کوشش کرتے رہو۔ پری کے بال سے دل کے دیوانہ ہونے کا جواز ہوجاتا ہے۔

یعنی، دماغِ غفلت ساقی رسیدہ تر
خمیازۂ خمار سے پیمانہ کھینچیے

دماغ رسیدہ : نشے میں ڈوبا ہوا دماغ۔ ساقی کے دماغ میں ہم سے تغافل کا نشہ اور زیادہ بھر گیا ہے۔ اب خمار میں لی جانے والی انگڑائی کا پیمانہ پینے پر قناعت کیجیے۔ خمار نشے کا عدم ہے۔ خمار میں انگڑائی لی جاتی ہے۔ اسی کو نشہ مان کر رہ جایئے۔

عجز و نیاز سے تو نہ آیا وہ راہ پر
دامن کو اس کے آج حریفانہ کھینچیے

محبوب عاجزی سے نہیں مانتا زبردستی اس کے دامن کو کھینچا جائے۔

کرتے ہوئے تصورِ یار آتی ہے حیا
کیا فائدہ کہ منتِ بیگانہ کھینچیے

یار کا خیال کرتے ہوئے شرم آتی ہے کیونکہ تصورِ یار غیرِ یار ہے بیگانہ ہے ہم بیگانے کا احسان کیوں لیں۔

ہے ذوقِ گریہ، عزمِ سفر کیجیے اسدؔ
رختِ جنونِ سیل بہ ویرانہ کھینچیے

رخت بہ ویرانہ کھینچیے : ویرانے کی طرف چلے جایئے۔ صائب کا شعر ہے۔

پیش از آں کز سیل گردد، دست دریا سعی لنگ
رختِ خود، بیروں ازیں ویرانہ می باید کشید

اسدؔ، اگر رونے کا شوق ہو رہا ہے تو سفر کا ارادہ کیجیے۔ آپ کا رونا سیلاب لانے کے مترادف ہے، اپنے سیل بہانے کے جنون کا سامان لے کر ویرانے میں چلے جایئے بستی کو آپ کے گریے کی تاب نہیں۔

(۲۴۳)

دامانِ دل بہ وہمِ تماشا نہ کھینچیے
اے مدعی خیالِ سیہ جانہ کھینچیے

دامان کھینچنا : پرہیز کرانا، باز رکھنا۔ مدعی سے مراد ناصح، محبوب، دشمن یا خود اپنی ذات ہو سکتی ہے۔ تمھیں یہ خیال ہے کہ دل حسنِ یار کا تماشا کر رہا ہے۔ اسے اس کام سے باز

رکھنے کی کوشش نہ کرو۔ اس کوشش میں تمھیں بے کار شرمندگی ہو گی۔ یہ دل باز آنے سے رہا

گل سر بسر اشارۂ جیبِ دریدہ ہے
نازِ بہار جز بہ تقاضا نہ کھینچیے

پھول صاف یہ اشارہ کر رہا ہے کہ بہار کے پھیر میں آکر مجھے دامن پھاڑنا پڑا۔ اب تم بہار کا ناز نہ اٹھاؤ۔ اگر بہ شدت تقاضا ہو تو دوسری بات ہے، بہار کے قرب کو تیار ہو جاؤ گو دامن تو پھاڑنا ہی پڑے گا۔ غالبؔ کا ایک بعد کا شعر ہے۔

چاک مت کر جیب بے ایامِ گل
کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیے

پرواز، آشیانۂ عنقائے ناز ہے
بالِ پری بہ وحشتِ بے جانہ کھینچیے

عنقا ایک مہیب موہوم پرندہ ہوتا ہے، مراد ہے بلاؤں سے۔ بال کھینچنا : پرواز کرنا۔ بالِ پری کے لیے مشہور ہے کہ جو اس کے سائے میں آجاتا ہے اسے جنون ہو جاتا ہے یاں پرواز سے مراد اپنی پرواز نہیں بلکہ پری کی پرواز ہے۔ وحشت کی وجہ سے پری کو مائلِ پرواز نہ کیجیے۔ وہ بظاہر ناز سے بھری ہے لیکن دراصل عنقا کی طرح بلائے جاں ہے۔ اس پر کی پرواز بلاؤں کا آشیانہ ہے یعنی پری کا پرواز کرنا تمھارے لیے بلاؤں کے آشیانے میں داخلے کے برابر ہے۔

پرواز کو آشیانے سے تشبیہ دینا مناسب نہیں۔ کیا پرواز کے بعد اضافت ہونی چاہیے اس صورت میں معنی ہوں گے کہ پری کو پرواز پر مائل نہ کیجیے کیونکہ پری کا پرواز کرنا دراصل اس کے آشیانے کا پرواز کرنا ہے اور جب اس کا آشیانہ نہ بچے گا تو وہ سب کے سروں پر اپنا جنوں پرور سایہ ڈالتی پھرے گی۔

حیرت حجابِ جلوہ و وحشت غبارِ چشم
پائے نظر بہ دامنِ صحرا نہ کھینچیے

نظر کے پاؤں کو صحرا کے دامن میں نہ لے جاؤ یعنی وحشتِ عشق میں صحرا نوردی نہ کرو۔ صحرا میں جا کر حیرت بڑھے گی یا وحشت حیرت محبوب کے جلوے پر پردہ بن جاتی ہے اور وحشت آنکھ کا غبار بن کر یار کو دیکھنے اور پہچاننے سے روکتی ہے بہتر یہ

ہے کہ ہوش میں رہو اور کسی اور طریقے سے دیدِ یار کی سعی کرو۔

واماندگی بہانہ و دل بستگی فریب
دردِ طلب بہ آبلۂ پا نہ کھینچیے

آبلۂ پا کی حد تک دردِ طلبِ عشق نہ اُٹھاؤ۔ پاؤں میں آبلہ پڑنا بہت زیادہ جولانی کی نشانی ہے۔ دل لگانا فریب ہے اور اس سلسلے میں صحرانوردی کر کے تھکنا ایک بہانہ ہے جھوٹ ہے۔ ایسا کوئی کرتا ہے نہیں تمھیں بہکانے کو کہہ دیا ہے کہ عشق میں دوڑ دوڑ کر تھک جاؤ دل لگاؤ۔ نہ طلب کے چکر میں پڑو نہ پاؤں میں آبلہ کا درد پاؤ۔

گر صفحے کو نہ دیجیے پردازِ سادگی
جز خطِ عجز نقشِ تمنّا نہ کھینچیے

پردازِ سادگی: سادگی کی نقش کاری یا آرائش کرنا۔ بہتر یہ ہے کہ صفحہ کو سادہ رہنے دو۔ اگر اس پر رضامند نہ ہو اور کوئی نقش ہی کھینچنا ہے تو تمنّا کا نقش نہ بناؤ عجز و مجبوری کی لائن بناؤ یعنی زندگی میں کوئی تمنّا نہ کر کے عاجز و خاکسار رہو۔

دیدارِ دوستانِ لباسی ہے ناگوار
صورت بہ کارخانۂ دیبا نہ کھینچیے

تلبیس اور لباس کے لفظی معنی ہیں دوسروں سے اپنا مکر و عیب پوشیدہ رکھنا۔ اس لئے دوستِ لباسی سے مُراد مکّار دوست جو دل سے دوست نہ ہوں۔ مجھے ظاہری دوستوں کی صورت دیکھنا بھی ناگوار ہے۔ ان کی صورت دیبا کے کارخانے میں دیبا پر بھی نہ بناؤ۔ لباسی اور دیبا میں رعایت ہے۔ یا یہ کہ دیبا پر صورتیں نہ بناؤ یہ لباسی دوست ہیں۔ مجھے ان بے خلوصوں کا دیکھنا بھی پسند نہیں۔

ہے بے خمار نشۂ خونِ جگر اسدؔ
دستِ ہوس بہ گردنِ مینا نہ کھینچیے

خونِ جگر کے نشے میں کبھی اُتار نہیں ہوتا۔ شراب کی بوتل کی طرف ہوس کا ہاتھ نہ بڑھاؤ ہمیشہ خونِ جگر میں سرشار ہو یعنی ہمیشہ آلام و مصائب میں مست رہو۔

(۲۴۴)

زلفِ سیہ افعی، نظرِ بد قلمی ہے
ہر چند خطِ سبز و زمرد رقمی ہے

قلمی: چادر جس پر دھاریاں بنی ہوتی ہیں۔ افعی کے دم سے چادر جل سکتی ہے۔ افعی کے سامنے زمرد کو کیا جائے تو روایتاً افعی اندھا ہو جاتا ہے۔ محبوب کی سیہ زلف افعی کی طرح ہے اور حریف کی نظرِ بد قلمی چادر کی طرح ہے۔ حالانکہ اس چادر پر سبز و زمرد دھاریاں رقم ہیں اور زمرد سے افعی اندھا ہو جاتا ہے اس کے باوجود نظرِ بد محض ایک چادر ہے جو حریفِ دمِ افعی نہیں ہو سکتی اور اس کے سانس سے جل جائے گی۔

ہے مشقِ وفا، جانتے ہیں، لغزشِ پا تک
اے شمع تجھے دعویِ ثابت قدمی ہے

اے شمع تجھے دعویٰ ہے کہ تو عشق میں ثابت قدم ہے اور وفا کو ترک کر کے فرار نہیں ہو گی۔ ہم سب جانتے ہیں تیری وفا کی مشق لغزشِ پا نہ ہونے تک ہے۔ جیوں ہی تیرا پاؤں ڈگمگائے گا تو میدان چھوڑ دے گی۔ ثابت قدمی صرف ہمیں کو زیب دیتی ہے۔ خود نوشت دیوان میں پہلا لفظ "ہے" کی بجائے "ہم" ہے اس طرح صریحاً شمع پر اپنی فوقیت ظاہر کی ہے کہ ہم لغزشِ پا میں بھی وفا سے مُنہ نہیں موڑتے۔

ہے عرضِ شکست آئینۂ جراُتِ عاشق
جز آہ کہ سرِ لشکرِ وحشت عَلَمی ہے

عاشق کی جراُت کا آئینہ پکار پکار کر شکست کی عرض کر رہا ہے یعنی ٹوٹنا اس کا مقسوم ہے سوائے آہ کے کہ وہ وحشت کے جھنڈے والے لشکر کی سپہ سالار ہے یعنی وحشت کا علم لئے ہے۔ خلاصہ یہ کہ عاشق محبوب کے سامنے کسی جراُت کا اظہار نہیں کر سکتا۔ ہاں آہ اس کا ہتھیار ہے۔ اگر پہلے مصرع میں مبتدا و خبر کو اُلٹ دیا جائے تو یہ معنی ہوں گے۔ اظہار و اعترافِ شکست عاشق کی جراُت کا آئینہ دار ہے سوائے آہ کے کہ وہ عرضِ شکست نہیں۔

لیکن یہ معنی اتنے موزوں نہیں کیونکہ اظہارِ شکست کو جراُت قرار دینے کا جواز نہیں۔ اس کے مقابلے میں چونکہ آہ کو مستثنیٰ کیا ہے اس لئے وہ جراُت کے سوا کچھ اور یعنی بزدلی ہوئی لیکن اسے سرِ لشکرِ وحشت کیا ہے اس لئے اسے غیر عجزی کیونکر مانا جائے۔ اس طرح ظاہر ہے کہ دوسرے معانی

تشفی بخش نہیں۔ واماندۂ ذوقِ طربِ وصل نہیں ہوں

اے حسرتِ بسیار، تمنا کی کمی ہے

میں وصل کی لذت سے تھکا ہوا نہیں یعنی مجھے وصل کی لذت کا کوئی خاص حصہ نہیں ملا حسرت بہت ہے کہ لذتِ وصل ملے۔ لیکن کامرانی کیوں نہیں ہوئی؟ میری تمنا نے کمی یعنی چوک کی ہے کمی یہاں کمی مقدار کے معنی میں نہیں بلکہ سعی وعمل میں پیچھے رہنے کے معنی میں ہے۔ بسیار اور کمی میں تضاد ہے۔

وہ پردہ نشیں اور اسد آئینۂ اظہار

شہرت چمنِ فتنہ و عنقا ارم ہے

وہ پردہ نشیں ہے اور اسد اظہارِ عشق کا آئینہ ہے یعنی اسد کی حالت سے اس کا عشق آئینہ کی طرح واضح ہے چنانچہ وہ بطور عاشق کے شہرت پا گیا ہے۔ شہرت فتنے کا چمن ہے لیکن یہ فقدانِ بہشت ہے یعنی شہرت ایسا مقام ہے جہاں فتنہ کا باغ لگا ہے لیکن یہ باغِ ارم نہیں۔ جنت یہاں عنقا یعنی معدوم ہے۔ ظاہر ہے رسوائی عشق سے فتنے ملتے ہیں عیشِ بہشت نہیں۔

(۲۴۵)

بسکہ سودائے خیالِ زلف، وحشت ناک ہے

تا دلِ شب، آبنوسی شانہ آسا چاک ہے

محبوب کی زلف کے تصور کا سودا بہت وحشت پیدا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ کالی رات پر بھی یہی اثر ہوا۔ رات کو زلفِ یار کا سودا ہو گیا اس کا دل آبنوس کی کنگھی کی طرح چاک چاک ہو گیا ہے۔

یاں فلاخن باز، کس کا نالۂ بے باک ہے؟

جادہ، تا کہسار، موئے چینیِ افلاک ہے

فلاخن: گوپھن جس میں رکھ کر پتھر غنیم پر پھینکتے ہیں۔ موئے چینی: چینی کے برتن میں ٹوٹنے کا بال۔ دور ایک پہاڑ دکھائی دیتا ہے اس پر راستہ چڑھ کر اوپر تک چلا گیا ہے۔ دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آسمان ایک چینی کا ظرف ہے جس میں اس جادۂ کوہ سے بال پڑا ہوا ہے۔ کس کے نالے نے پتھر پھینک کر آسمان میں بال ڈال دیا۔ فلاخن، کہسار اور چینی میں رعایت ہے۔ جو نالہ کہسار میں چینی کے برتن کی طرح بال ڈال دے وہ کتنا قاتل ہوگا۔

ہے دو عالم صید، اندازِ شہِ دلدل سوار

یاں خطِ پرکارِ ہستی، حلقۂ فتراک ہے

دو عالم صید: دونوں دنیاؤں کو صید کرنے والا۔ شہِ دلدل سوار: حضرت امام حسین۔ خطِ پرکارِ ہستی: ہستی کے پرکار سے کھینچا ہوا دائرہ یعنی پوری ہستی۔

حضرت امام حسین کا انداز دونوں دنیاؤں کو شکار کرنے والا ہے۔ پوری ہستی ان کے فتراک کے حلقے میں اسیر ہے۔ اگر صید پر اضافت پڑھی جائے تو متن ہوگا۔ ع

ہے دو عالم، صیدِ اندازِ شہِ دلدل سوار

اور معنی ہوں گے کہ دونوں عالم حضرت کے انداز کے شکار ہیں۔ معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

خلوتِ بال و پرِ قمری میں واکر راہِ شوق

جادۂ گلشن، برنگِ ریشہ، زیرِ خاک ہے

قمری سرو کی عاشق ہے نیز کفِ خاکستر یعنی تودۂ خاک ہے۔ ریشہ خاک کے نیچے جا کر پھیلتا ہے۔ باغ کے جادے نے قمری کے بال و پر میں جا کر راہِ شوق بنائی۔ جس طرح ریشہ زیرِ خاک ہوتا ہے اسی طرح قمری کے بال و پر میں راہِ شوق زیرِ خاک ہوگئی۔ چونکہ قمری کو سرو تک جانے کا شوق ہے اس لئے اس کے شوق کی راہ باغ کا راستہ قرار دی جاسکتی ہے۔ "واکر" کو خطابیہ بھی مانا جاسکتا ہے اور "واکر کے" مان کر دوسرے مصرع سے متعلق بھی کیا جاسکتا ہے۔

عیش گرمِ اضطراب و اہلِ غفلت سرد مہر

دورِ ساغر، یک گلستاں برگ ریزِ تاک ہے

یک گلستاں برگ ریز: بہت ساری خزاں۔ یک گلستاں کثرتِ مقدار ظاہر کرنے کیلئے لائے ہیں۔ شعر کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔

(۱) عاشقوں کی خواہش عیشِ وصل تڑپا رہی ہے لیکن غفلت شعار محبوب سرد مہری سے کام لے رہے ہیں۔ اس طرح عشاق کیلئے خزانِ تاک ہی دورِ ساغر ہے یعنی ان کے مقدر میں جام نہیں تاک کی بیل کی خزاں ہے۔ بیل سے پتے جھڑتے کو وہ ساغر کی گردش سمجھ سکتے ہیں۔

(۲) سامانِ عیش تڑپ رہے ہیں کہ لوگ ان سے استلذاذ کریں۔ لیکن اہلِ دنیا غفلت میں پڑے ہیں اور آلاتِ عیش سے سرد مہری برت رہے ہیں۔ دورِ ساغر ناقدری کی وجہ سے خزانِ تاک بن کر رہ گیا ہے۔ غزل کی روایات کے پیشِ نظر پہلے معنی بہتر ہیں۔

عرضِ وحشت پر ہے نازِ ناتوانی ہائے دل

شعلۂ بے پردہ، چینِ دامنِ خاشاک ہے

دامن میں جو چین یا شکن بنے ہوتے ہیں وہ زیبائشِ دامن ہوتے ہیں اور ان پر ناز کیا جا سکتا ہے۔ دل کی کمزوری وحشت کے اظہار پر ناز کرتی ہے کیونکہ وحشت ایک قسم کی طاقت ظاہر کرتی ہے۔ گویا تنکے کی چینِ دامن یعنی فخر و ناز کی چیز شعلہ ہے۔ کمزور دل کو تنکا اور وحشت کو شعلہ قرار دیا۔ شعلۂ بے پردہ: وہ شعلہ جو ظاہر ہے پوشیدہ نہیں۔ چونکہ شعلہ خاشاک کو جلا دیتا ہے اس کی شماتت پر وحشت بھی دلِ ناتواں کو جلا پھونک دے گی۔

ہے کمندِ موجِ گل، فتراکِ بے تابی، اسد
رنگ یاں بوئے سوارِ توسنِ چالاک ہے

موجِ گل کو کمند کہا اور اسے بے تابی کا فتراک قرار دیا یعنی گل کے پاس بے تابی ہی بے تابی ہے کیونکہ رنگِ گل بوئے گل کے چالاک گھوڑے پر سوار ہے اس کے معنی ہوئے رنگِ گل بھی موجِ گل کی طرح منتشر ہو رہا ہے۔ تیزی سے بھاگا جا رہا ہے جب پھول کا رنگ اور بو تیزی سے بھاگ رہے ہیں تو گل کا خاتمہ نزدیک ہے۔ اسے بے تابی ہونی ہی چاہیے۔ اس کی کمند یا فتراک کسی کو کیا اسیر کرے گی وہ تو خود بے چین ہے۔

(۲۴۶)

مژہ پہلوئے چشم، اے جلوۂ ادراک باقی ہے
ہوا وہ شعلہ داغ اور شوخیٔ خاشاک باقی ہے

جلوۂ ادراک: عقل و فہم کا جلوہ، جلوۂ محبوبِ حقیقی مراد ہو سکتا ہے۔ اے جلوے آنکھ کے پہلو میں پلک سلامت ہے۔ آنکھ شعلہ تھی لیکن جل بجھ کر سیاہ داغ رہ گئی۔ پلک محض خاشاک تھی لیکن شوخیٔ مزاج کی وجہ سے وہ بدستور باقی ہے۔ یہ حیرت کی بات ہے۔ شعر میں لفظ ادراک حشو ہے۔

چمن میں کچھ نہ چھوڑا تو نے غیر از بیضۂ قمری
عدم میں بہرِ فرقِ سرو مشتِ خاک باقی ہے

بیضۂ قمری سے قمری پیدا ہو گی جو ہنوز عدم میں ہے۔ قمری مشتِ خاک ہے۔ فرقِ سرو: سرو کا سر۔ قمری سرو پر بیٹھتی ہے۔ یہ واضح نہیں کہ شعر میں کس سے خطاب کیا گیا ہے۔ چمن میں بیضۂ قمری کے سوا کچھ نہیں بچا۔ چمن سے دوسری طرف عدم ہے وہاں ایک مشتِ خاک یعنی قمری انتظارِ تولید میں موجود ہے۔ گویا سرو کیلئے باغ میں کچھ نہیں اور عدم آباد میں بھی کیا ہے۔ محض ایک مشتِ خاک جسے قمری کہتے ہیں۔

گدازِ سعیٔ بینش، شست و شوئے نقشِ خود کامی
سراپا شبنم آئیں، یک نگاہِ پاک باقی ہے

نقشِ خود کامی: خود غرضی کا نقش۔ خود کامی کے نقش کی شست و شو کی جائے یعنی اس کی اصلاح اور تزکیہ کیا جائے تو وہ بصارت کا گداز کرنے والا ہو جائے گا جس طرح دل گداز کے معنی دل کو نرم و رقیق کرنے والے کے ہیں اسی طرح کوششِ بینائی کا گداز ہونا نظر میں وسعت، بے غرضی اور دوسروں سے ہمدردی پیدا ہونے میں ہے کسی میلی چیز کو دھویا جائے تو ایک پاک صاف شکل نکل آتی ہے اسی طرح نقشِ خود غرضی کی صفائی کی گئی تو شبنم کی طرح ایک پاک صاف نگاہ باقی رہ گئی۔ مطلب پرستی کا میل کٹ گیا۔

ہوا ترکِ لباسِ زعفرانی دل کشا لیکن
ہنوز آفت نسب یک خندہ یعنی چاک باقی ہے

لباسِ زعفرانی کو آسی نے رنگینی کی علامت مانا ہے۔ میرے نزدیک یہ لباس درویشی کی طرف اشارہ ہے۔ درویشی میں لباس کی وجہ سے رشتۂ علائق رہتا ہے۔ ہم نے اسے ترک کر دیا۔ اس سے ہماری طبیعت کھلی اور دل کشائی کی وجہ سے ہم نے خندہ کیا۔ یہ خندہ بھی چاکِ گریباں سے مشابہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ابھی ہم نے لباس کو پوری طرح تلف نہیں کیا۔ اس کی ایک نشانی یعنی چاک باقی رہ گیا ہے۔ یہ خندہ آفتوں کی جڑ یا آفت زادہ ہے یعنی ترکِ علائق تو ٹھیک ہے لیکن اس پر فخر کیا جائے یا خوشی کی نمائش کی جائے تو یہ پر آفت ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ خندہ روا نہیں۔

چمن زارِ تمنا ہو گیا صرفِ خزاں لیکن
بہارِ نیم رنگ آہِ حسرت ناک باقی ہے

تمنا کے باغ میں خزاں آ گئی۔ حسرت سے بھری ہوئی آہ پر بہار ہے لیکن اس کی بہار کیا۔ اس میں صرف تھوڑی سی رنگینی ہے۔ آہ کی بہار بہار و خزاں کے بین بین ہے۔

نہ حیرت چشمِ ساقی کی نہ صحبت دورِ ساغر کی
مری محفل میں، غالب، گردشِ افلاک باقی ہے

چشمِ ساقی میں حیرت ہوتی ہے جو بہت خوشگوار معلوم ہوتی ہے۔ میرے مقدر میں نہ چشمِ ساقی ہے نہ دورِ ساغر بلکہ محض گردشِ فلک ہے اور ظاہر ہے آسمان کی گردش میرے لئے موجب

بدبختی ہی ہو گی۔

(۲۴۶)

شکلِ طاؤس، گرفتار بنایا ہے مجھے

ہوں وہ گلدام کہ سبزے میں چھپایا ہے مجھے

گلدام : لفظی معنی چھوٹا دام لیکن محض دام کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ طاؤس کے نقش و نگار کو جال قرار دیا۔ جو اس کے سبز رنگ میں پوشیدہ ہے۔ طاؤس اپنے ہی دام میں گرفتار ہے۔ کہتے ہیں میں بھی اسی کی طرح گرفتار ہوں۔ اور میں بھی ایسا جال ہوں جو سبزے میں پوشیدہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اپنے لئے سبزہ کہاں سے لایا جائے۔ آسی لکھتے ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان میں طاؤس کے سے نقش و نگار کہاں ہیں تو کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اپنے آپ کو گلدام بتایا ہے اور گلدام کے لغوی معنی اگرچہ چھوٹے جال یا مطلق جال کے ہیں مگر اس لحاظ سے کہ اس میں گل کا لفظ موجود ہے کہہ سکتے ہیں کہ وہ جال جو پھولوں کے واسطے یا پھولوں سے بنایا ہو۔ اور اسی صورت میں طاؤس سے اس کی تشبیہہ صحیح ہو گی یعنی میں گلدام ہوں کہ سبزہ پر بچھا ہوں اور طاؤس کی طرح گرفتار ہوں۔

اس تقاویل سے تشفی نہیں ہوتی۔ میری رائے میں شعر کے معنی یہ ہیں سبزے سے مراد ظاہری خوش حالی و شادابی ہے۔ میں طاؤس کی طرح گرفتار ہوں۔ ظاہرا میں خوش اور خوش حال ہوں لیکن دراصل اس خوشحالی کے نیچے بہت سی قیود، پابندیاں اور دل تنگیاں ہیں جو میرے لئے ایک جال ہیں لیکن دوسروں کو نظر نہیں آتیں۔

پرِ طاؤس تماشا نظر آیا ہے مجھے

ایک دل تھا کہ بہ صد رنگ دکھایا ہے مجھے

پرِ طاؤس میں چونکہ داغ ہوتے ہیں اس لئے اسے دل سے مشابہ کیا۔ پرِ طاؤس میں مجھے خوب تماشا نظر آیا۔ یہ عاشق کا دلِ داغ دار تھا جو طرح طرح کی شکلوں میں ظاہر ہو رہا ہے۔

عکسِ خط تا سخنِ ناصحِ دانا سر سبز

آئنہ بیضۂ طوطی نظر آیا ہے مجھے

بیضۂ طوطی سے کچھ عرصے کے بعد طوطی نکلتی ہے جو سخن سنج ہوتی ہے۔ لوہے کے آئینے میں جوہر اور زنگار کو طوطی سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ غالب نے آئینے کو بیضۂ طوطی قرار دیا ہے۔ ناصح انھیں نصیحت کرتے آئے۔ سامنے آئینہ لگا تھا اس میں ناصح صاحب کے خطِ سبز

کا عکس دکھائی دیا۔ تھوڑی دیر میں ناصح بولنے لگے گویا یہ عکسِ طوطی نما طوطیِ سخن سنج بن گیا۔ اس طرح آئینہ بیضۂ طوطی ہو گیا جس میں سے تھوڑی دیر بعد شیریں مقالی ہونے لگی۔ ناصح صاحب تو لیکچر دے رہے ہوں گے اور غالب آئینے میں ان کی داڑھی دیکھ کر سوچ رہے ہوں گے کہ طوطیِ سخن سنج ہے۔ خط، دانا، سر سبز، بیضۂ طوطی میں رعایت ہے۔

سنبلستانِ جنوں ہوں، ستمِ نسبتِ زلف

موکشاں خانۂ زنجیر میں لایا ہے مجھے

سنبلستان : باغ۔ زلف کی رعایت سے سنبلستان اور موکشاں کے الفاظ لائے۔ میں جنوں کا باغ ہوں۔ چونکہ میں کسی کی زلف کا عاشق کہا جاتا ہوں اور یہ میں نے بڑا ستم کیا ہے اس لئے یہ مجھے بالوں سے گھسیٹ کر لایا اور زنجیر کے خانے میں بند کر دیا۔

گرد باد، آئنۂ محشرِ خاکِ مجنوں

یک بیاباں دلِ بے تاب اٹھایا ہے مجھے

آئنۂ محشر سے آفتابِ قیامت مراد لیا جاتا ہے لیکن یہاں لفظی معنی ہی کافی ہیں مجنوں کی خاک گرد باد کی شکل میں بھرتی ہے۔ گویا گرد باد، خاکِ مجنوں پر جو قیامت ٹوٹی ہے اس کا آئینہ ہے۔ اس گرد باد نے میرے اندر بہت سا دلِ بے تاب اٹھایا ہے۔ یک بیاباں دلِ بے تاب : دلِ بے تاب کی شدت ظاہر کرتا ہے۔ مجنوں کا حشر دیکھ کر انھیں اس لئے بے تابی ہوئی ہو گی کہ جب مجنوں کا یہ حشر ہوا تو ان کا بھی یہی حال ہو گا۔ یا پھر مجنوں کی ہمدردی کی وجہ سے بے تابی کا پورا جنگل اٹھ کھڑا ہوا۔

حیرتِ کاغذِ آتش زدہ ہے جلوۂ عمر

تہِ خاکسترِ صد آئینہ پایا ہے مجھے

خاکسترِ آئینہ اس راکھ کو کہتے ہیں جس سے آئینہ صاف کیا جائے لیکن یہاں یہ مراد نہیں غالب کا ایک مشابہ شعر یہ ہے۔

برنگِ کاغذِ آتش زدہ، نیرنگِ بے تابی

ہزار آئینہ دل باندھے ہے بالِ یک تپیدن پر

شعر کے معنی یہ ہیں :۔ عمر کا جلوہ کاغذِ آتش زدہ کی طرح ہے۔ کاغذ کو آگ لگائی جائے تو ایک لمحے میں راکھ ہو جائے گا۔ جلوۂ عمر اتنا ہی مختصر ہے۔ اس جلوے کے آخر میں مجھے ایسے

راکھ کے نیچے پایا گیا جو صد آئینہ دار ہے جس میں سو آئینے دکھائی دے رہے ہیں۔ جلا ہوا کاغذ اپنے نقوش سلامت رکھتا ہے اور مختلف حصّوں سے مختلف آرزوؤں اور حسرتوں کا بیان کرتا ہے۔ خاکسترِ صد آئینہ سے مراد آئینے کو جلا کر حاصل کی ہوئی راکھ نہیں کیونکہ آئینہ جل کر راکھ نہیں ہو سکتا۔ خاکسترِ صد آئینہ سے مراد وہ خاکستر ہے جو صد آئینہ نما یا صد آئینہ دار ہو۔ چونکہ کاغذِ سوختہ کو آئینہ کہا اس لئے اسے حیرت زدہ بھی کہا۔ مرنے کے بعد جلوۂ عمر کے اختصار پر حیرت ہو سکتی ہے۔

لالہ و گل بہم آئینۂ اخلاقِ بہار
ہوں میں وہ داغ کہ پھولوں میں بسایا ہے مجھے

داغ علامت ہے حسرت و ناکامی کی۔ لالہ میں داغ ہوتا ہے دوسرے پھولوں میں نہیں ہوتا۔ عموماً حسرت زدہ لوگ تاریک و افسردہ ماحول میں رہتے ہیں رنگ و بو کی بزم میں انہیں بار نہیں ملتا۔ بہار اتنی خوش اخلاق ہے کہ اس نے لالہ جیسے داغ خوردہ شخص کو پھولوں کے ساتھ جگہ دی ہے۔ یہ بات بہار کے اخلاق کا آئینہ ہے۔ میں بھی داغ خوردہ شخص ہوں متوقع تھا کہ مجھے مایوسوں اور محروموں کے زمرے میں رکھا جاتا لیکن مجھے اس کے برعکس حسینوں کے بیچ رہنے کا موقع دیا گیا ہے یہ ماحول کا مجھ پر احسان ہے۔

دردِ اظہارِ تپش، کسوتِ گل معلوم
ہوں میں وہ چاک کہ کانٹوں سے سِلایا ہے مجھے

پھول میں بہت سی پنکھڑیاں ہوتی ہیں یعنی وہ دلِ چاک ہے اس لئے اس کے دل میں تپش یعنی تڑپ بھی ہوگی۔ میری تڑپ کے اظہار کا درد بر لباسِ گل کہاں سامنے آ سکتا ہے یعنی میری تڑپ پھول کی شکل میں ظاہر نہیں ہوگی۔ میں وہ چاک ہوں جسے کانٹوں سے سیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کانٹوں سے سینے میں مزید اذیت ہوگی۔

بے دماغِ تپش و عرضِ دو عالم فریاد
ہوں میں وہ خاک کہ ماتم میں اُڑایا ہے مجھے

مجھے تپش نے بے دماغ یعنی نازک مزاج یا رُندھا ہوا کر رکھا ہے۔ میں فریاد ہی فریاد پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں وہ خاک ہوں جو ماتم کرنے والے اُڑاتا ہے گویا میں تپش و عرضِ فریاد و خاکِ ماتم ہوں۔

جامِ ہر ذرہ ہے سرشارِ تمنّا مجھ سے
کس کا دل ہوں کہ دو عالم میں لگایا ہے مجھے

جو میری خواہش ہے وہی ہر ذرّے کی ہے۔ گویا میری تمنا کی شراب سے ان کا جام لبریز ہے۔ میں کس عاشق کا دل ہوں کہ مجھے دو عالم سے وابستہ کیا ہوا ہے یہ بھی ہمہ من لست قسم کا مضمون ہے۔ ساری دنیا کے دل میں تمنائیں میری ہی دی ہوئی ہیں میری ہی تقلید میں ہیں

جوشِ فریاد سے لوں گا دیتِ خواب اسدؔ
شوخیٔ نغمۂ بیدل نے جگایا ہے مجھے

دیت: خوں بہا۔ بیدل کی شاعری کی شوخی نے مجھے جگا دیا اور میں اسی انداز سے فکرِ سخن کرنے لگا۔ میری نیند کشتہ ہو گئی اس کا خوں بہا میں جوشِ فریاد سے لوں گا یعنی زور زور سے نالہ کروں گا۔ جو شعر تخلیق پائیں گے وہ ہمہ فریاد ہوں گے۔

آسی لکھتے ہیں میرے عالمِ خواب کا جوشِ فریاد نے خون کر دیا اب میں اسی سے اپنی نیند کا خوں بہا لوں گا گویا کہ میں پڑا سو رہا تھا کہ مجھے مرزا بیدل کے شوخ نغمے نے بیدار کر دیا۔ یعنی میں بے خبر تھا مگر مجھے طرزِ کلامِ بیدل نے ہوشیار کیا۔

میرے نزدیک جگانے کی ذمہ داری جوشِ فریاد پر نہیں نغمۂ بیدل پر ہے۔ جوشِ فریاد کی شکل میں خوں بہا لیا جائے گا۔

(۲۴۸)

جنوں رسوائیٔ وارستگی زنجیر بہتر ہے
بہ قدرِ مصلحت دل بستگی تدبیر بہتر ہے

اے جنوں میں ترکِ تعلق کی بدنامی لوں؟ اس سے تو زنجیر بہتر ہے۔ وارستگی کے لئے ضرورت ہے کہ عشق سے بھی ہاتھ اُٹھایا جائے۔ میں اس کی بجائے عشق کا جنون لیکر زنجیر بند ہونا پسند کروں گا۔ مصلحت کے تقاضے کے مطابق دل لگا لینا چاہیئے اور زندگی کرنے کے لئے یہ بہتر تدبیر ہے بہ نسبت ترکِ علائق کے۔

خوشا خود بینی و تدبیر و غفلت نقد اندیشہ
بہ دینِ عجز اگر بدنامیٔ تقدیر بہتر ہے!

بعض طبائع عجز و خاکساری و معذوری کا دین اختیار کرتی ہیں۔ ان کی ناکامی سے تقدیر

بدنام ہوتی ہے لیکن وہ تدبیر پر اس رسوائی تقدیر کو ترجیح دیتے ہیں۔ تقدیر کی بدنامی سے تو کہیں اچھی تدبیر ہے خواہ اس میں خود بینی کا الزام آئے خواہ خیال کی متاع محض غفلت ہو یعنی خیال اور عمل دراصل غفلت ہو لیکن یہ سب تقدیر کو بدنام کرنے سے تو بہتر ہے۔

غفلت نقد اندیشہ : وہ اندیشہ جو غفلت کا نقد لئے ہے۔

کمالِ حسن اگر موقوفِ اندازِ تغافل ہو

تکلف برطرف تجھ سے تری تصویر بہتر ہے

اگر کمالِ حُسن تغافل پر منحصر ہے تو تیری تصویر تجھ پر فوقیت رکھتی ہے کیونکہ وہ ہمیشہ تغافل رکھتی ہے۔ دوسرے یہ معنی ہیں کہ اگر تیرے شعارِ حیات میں صرف تغافل ہی کمالِ حُسن کی نشانی ہے تو ہمارے لئے تجھ سے تیری تصویر بہتر ہے کہ وہ تغافل نہیں کرتی اور ہماری طرف دیکھنے کو تیار رہتی ہے۔

دلِ آگاہ تسکین خیزِ بے دردی نہ ہو یارب

نفس آئینہ دارِ آہِ بے تاثیر بہتر ہے

ہماری آہ سے محبوب پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہمارا سانس آہِ بے تاثیر کئے جائے تو یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ دل آہ کرنا بند کر دے اور بے درد محبوب کو تسکین ہو جائے کہ اس نے کسی کو ستایا نہیں رکھا۔ دل اگر آگاہ اور سمجھدار ہو تو فوراً دیکھ سکتا ہے کہ آہ کا کوئی اثر نہیں اس لئے آہ نہ کرنی چاہیئے لیکن شاعر خدا سے دعا مانگتا ہے کہ کہیں دلِ آگاہ ایسا نہ کرنے لگے ورنہ ظالم کے ضمیر کو سکون ہو جائے گا۔

خدایا چشم تا دل درد ہے‘ افسونِ آگاہی

نگہ حیرت سوادِ خوابِ بے تعبیر بہتر ہے

خوابِ بے تعبیر : خوابِ پریشاں، خوابِ وحشت ناک۔ آگاہی اور سمجھ آنکھ میں ہوتی ہے یا دل میں۔ دُنیا اور زندگی کا حال دیکھتے ہوئے عقل مند دل کو تکلیف ہی ہوتی ہے۔ شاعر کہتا ہے ہوش مندی نے چشم و دل میں درد پیدا کیا ہوا ہے اس سے بہتر ہے کہ نگہ خوابِ دیوانگی کے سواد میں حیران گھومے یعنی نگہ ایسی باتیں دیکھے اور دل ایسی باتیں سوچے کہ جن کا کوئی نتیجہ نہیں۔ دُنیا سے بیزاری کی انتہا ہے کہ ہوش اور سوجھ بوجھ سے رہنے کو موجبِ تکلیف قرار دیتے ہیں۔

دردِ دل جوہرِ آئینہ‘ جوں برگِ حنا خوں ہے

بتاں، نقشِ خود آرائی، حیا تحریر بہتر ہے

حسینو تم آئینے کے سامنے اطمینان سے بیٹھ کر کھلم کھلا خود آرائی کرتے ہو۔ یہ نہیں جانتے کہ جوہرِ آئینہ کے بھی دل ہے جو تمہیں دیکھ کر عشق میں خون ہو گیا ہے۔ جس طرح حنا کی پتی میں سُرخ رنگ چھپا رہتا ہے اور دکھائی نہیں دیتا اسی طرح جوہرِ آئینہ کا بھی دل ہے اور اس میں خون ہے (یعنی وہ کشتہ ہونے کی وجہ سے خون ہو گیا ہے) چونکہ جوہر دل والے عاشق کی طرح ہے اس لئے تم آئینے سے شرماؤ اور خود آرائی کے نقش کو حیا کے ساتھ تحریر کرو۔

تمنا ہے اسد قتلِ رقیب اور شکر کا سجدہ

دعائے دل، بہ محرابِ خمِ شمشیر بہتر ہے

اسد میری تمنا ہے کہ رقیب قتل ہو جائے اور میں شکر کا سجدہ کروں۔ دعا کو محرابِ مسجد کے نیچے مانگنے سے بہتر ہے کہ محرابِ خمِ شمشیر کے نیچے مانگی جائے یعنی یہ کہ شمشیر رقیب کا کام تمام کر دے۔

(۲۴۹)

دریوزۂ ساماں ہا، اے بے سروسامانی

ایجادِ گریباں ہا، در پردۂ عریانی

اے بے نوائی کی حالت تو زبانِ حال سے سازوسامان کی بھیک مانگ رہی ہے عریانی در پردہ لباس و گریباں کی آرزو ہے یعنی عریانی آخرکار طرح طرح کے ملبوسات پر جا کر ختم ہو گی اس لئے بے سروسامانی پر فخر نہیں کرنا چاہیئے۔

تمثالِ تماشا ہا، اقبالِ تمنا ہا

عجزِ عرقِ شرمے، اے آئینہ حیرانی

مندرجہ بالا اوقاف نسخۂ عرشی کے ہیں۔ ان کے مطابق شعر کا مطلب یہ ہوگا۔ اے آئینہ اگر تیرے اندر بہت سے تماشوں کی تصویر دکھائی دیتی رہی تو یہ تیری تمنا کا اقبال اور کامرانی ہے اگر تو حیران ہو کر گم سم بیٹھا رہے۔ میرے نزدیک شعر کی بہتر قرأت یہ ہے۔

تمثالِ تماشا ہا، اقبالِ تمنا ہا

عجزِ عرقِ شرمے، اے آئینہ حیرانی

اے آئینے کی حیرانی تمثالوں کا تماشا کرنا اور اقبال کی تمنّا کرنا اپنی عاجزی، بے نوائی اور کم مائگی کی یاد دلاتا ہے۔ یہ شرم و عجز کا پسینہ ہے اس لئے تماشائے تمثال اور تمنّائے اقبال سے درگذر کر۔

دعوائے جنوں، باطل، تسلیم، عبث حاصل
پروازِ فنا، مشکل۔ میں، عجزِ تن آسانی

اس شعر میں بھی بیزاری کا مضمون ہے۔ جنونِ عشق کا دعویٰ کرنا جھوٹ ہے۔ مرضیِ الٰہی کے آگے تسلیم کرلی جائے تو یہ بھی عبث حاصل ہے یعنی اس کا کچھ حاصل نہیں۔ فنا کی پرواز یعنی روح کو جانبِ عرش پرواز کرانا مشکل ہے۔ مجبوراً میں عاجزی و معذوری کی وجہ سے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا ہوں تن آسان ہوگیا ہوں۔ جیسے بھی زندگی گزر رہی ہے گزار رہا ہوں۔

بیگانگیِ خو ہا، موجِ رمِ آہو ہا
دامِ گلۂ الفت، زنجیرِ پشیمانی

محبوب ہم سے بیگانگی کا شیوہ جو برتتا ہے وہ ہرنوں کے رم کی طرح ہے یعنی ہرنوں کا قاعدہ ہی ہے کہ چاہنے والوں سے دور بھاگیں۔ اب میں اگر محبوب سے گلہ کروں تو یہ دامِ پشیمانی کی زنجیر بن جائے گا کیونکہ اس سے کچھ حاصل تو ہوگا نہیں اُلٹا مجھی کو پشیمان ہونا پڑے گا۔ یعنی میں نے شکوے کا دام محبوب پر ڈالا وہ پشیمانی کی زنجیر بن کر مجھے ہی باندھے گا۔

پروازِ تپش رنگے، گلزار ہمہ تنگے
خوں ہو قفسِ دل میں، اے ذوقِ پر افشانی

میری رائے میں رنگے اور تنگے کی بجائے رنگی اور تنگی ہونا چاہیئے۔ پروازِ تپش رنگ، ہے یعنی اُڑنے سے بے قراری ہوتی ہے۔ باغ تنگی ہی تنگی ہے۔ یہاں دل گھٹتا ہے۔ اے پرواز کے ذوق تو دل کے پنجرے ہی میں خون ہو کر رہ جا کیونکہ تجھے آسودہ کرنے کا کوئی موقع نہیں۔

سنگ آمد و سخت آمد، دردِ سرِ خودداری
معذورِ سبکساری، مجبورِ گراں جانی

سبکساری: ذلّت۔ خودداری دردِ سر ثابت ہوئی۔ سنگ آمد و سخت آمد کا معاملہ ہوگیا زمانے نے میری کمر توڑ دی ہے لیکن میں دوسروں کے سامنے سبک سر جانے سے معذور ہوں۔ کیونکہ خودداری کے منافی ہے اور میں گراں جانی یعنی سخت جانی سے مجبور ہوں۔ مصائب کی وجہ سے مجھے زندہ رہنا مشکل ہے۔ بڑی مشکل میں ہوں۔

"مجبورِ گراں جانی" کے معنی اگر یہ لئے جائیں کہ "میں گراں جانی کے لئے مجبور ہوں" تو شاعر کی پریشانی ہلکی ہو جاتی ہے اگر یہ معنی لئے جائیں کہ "میں گراں جانی اختیار کرنے سے مجبور ہوں۔ یعنی گراں جانی میرے بس کی نہیں" تو شاعر کی دُبدھا تیز ہو کر سامنے آتی ہے۔

گلزارِ تمنّا ہوں، گلچینِ تماشا ہوں
صد نالہ اسدؔ، بلبل دربندِ زباں دانی

میں تمنّاؤں کا باغ ہوں اور تماشائے گلشن سے گل چینی کر رہا ہوں لیکن محض تمنّا کرنا یا دیکھنا کافی نہیں۔ وصلِ گل کو جی چاہتا ہے اور یہ نہ ملنے سے اسدؔ صد نالہ ہوگیا ہے۔ طرح طرح سے فریاد کر رہا ہے۔ وہ زباں داں شاعر ہے اور اس زبان دانی یا طلاقتِ لسانی کی قید میں ہے کس طرح؟ طرح طرح سے فریاد کرنے پر مجبور ہے۔ جو الفاظ پر قادر ہو وہی تو اپنی خواہش کو سو طرح سے ظاہر کر سکتا ہے۔

(۲۵۰)

گریہ سرشاریِ شوق بہ بیاباں زدہ ہے
قطرۂ خونِ جگر، چشمکِ طوفاں زدہ ہے

شوق بہ بیاباں زدہ: شوق جو بیاباں کا مقصد رکھتا ہے چشمک زدن: آنکھ سے اشارہ کرنا چشمکِ طوفاں زدہ: طوفاں کی آنکھ کے اشارے کا ورغلایا ہوا۔ گریہ شوقِ صحرانوردی کی سرشاری کی نشانی ہے یعنی ہم اتنے آنسو بہانا چاہتے ہیں کہ بیاباں کو بھی لپیٹ میں لے لیں۔ خونِ جگر کا قطرہ طوفاں کا اشارہ یافتہ ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ باہر نکل کر طوفاں بپا کرے۔

گریہ بے لذّتِ کاوش نہ کرے جرأتِ شوق
قطرۂ اشک، دل، بر صفِ مژگاں زدہ ہے

گریہ جب تک کاوش نہ کرے عشق کے شغل کی جرأت نہیں کر سکتا۔ آنسو کی بوند کیا ہے؟ اس کے پردے میں دل پلکوں کی صف کا حریف ہے یعنی آنسو اور گریہ کاوشِ دل ہیں۔

ہے تماشا نہیں جمعیتِ چشمِ بسمل
مژہ فالِ دو جہاں خوابِ پریشاں زدہ ہے

چشمِ بسمل میں پریشانی کی جگہ جمود اور ٹھہراؤ آجاتا ہے جو ایک طرح کی جمعیت ہے۔ یہ ظاہری سکون پرلطف و دلچسپ ہے۔ بسمل کو عمر بھر طرح طرح کے خوابِ پریشاں دکھائی دیا کئے ان کی بنا پر فال گویوں نے طرح طرح کی پیشین گوئیاں کیں، تعبیریں کیں۔ ظاہر ہے کہ یہ فال بھی خوش آئند نہ رہے ہوں گے۔ بسمل کی پلکوں پر ان وحشت آمیز خوابوں کے تمام فال جمع ہو گئے ہیں۔ ان فالوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ خوابِ پریشاں دیکھنے والے کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ بہر تقدیر آنکھوں میں یا پلک پر طرح طرح کے فالوں کا اجتماع دلچسپ منظر ضرور ہے۔

فرصتِ آئینہ و پروازِ عدم تا ہستی
یک شررِ بالِ دل و دیدہ چراغاں زدہ ہے

فرصت: وقت۔ عدم سے ہستی تک کی پرواز ایک شرر کی چمک کی طرح ہے۔ شرر کیسا جس نے دل و دیدہ کے پروں میں چراغاں کر رکھا ہے۔ یعنی پروں میں آگ لگا رکھی ہے وقت ایسا آئینہ ہے جس میں انسان کی عدم سے ہستی کی پرواز اور اس کا آتش بہ بال ہونا دکھائی دیتا ہے شعر میں زندگی کے بارے میں دو باتیں کہی گئی ہیں۔ اوّل تو یہ اتنی مختصر ہے جیسے شرر کی چمک دوسرے یہ کہ اس میں بازوئے پرواز میں آگ لگی ہے یعنی یہ سراسر درد ہے۔ بالِ دل و دیدہ چراغاں زدہ، ایک توصیفی فقرہ ہے جو شرر کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ نثر ہوگی فرصتِ آئینہ (ہے) اور پروازِ عدم تا ہستی یک بالِ دل و دیدہ چراغاں زدہ شرر ہے۔

درسِ نیرنگ ہے کس موجِ نگہ کا یارب
غنچہ صد آئینہ زانوئے گلستاں زدہ ہے

غنچے نے زانوئے گلستاں پر سو آئینے رکھے ہوئے ہیں۔ وہ کیا دیکھ اور سوچ رہا ہے۔ کون سی نگاہ کی موج اسے درسِ نیرنگ دے رہی ہے۔ اور وہ آئینہ میں ان کا مشاہدہ کر رہا ہے غالباً موجِ نگہ خالق کی نگہ ہے جو غنچے کو نیرنگیوں سے واقف کر رہی ہے۔ نیرنگ کا تعلق خود غنچے سے ہے، موجِ نگہ سے نہیں۔

اس شعر کے ایک اور دور کے معنی بھی ممکن ہیں۔ "آئینہ زانو" سے کنایہ ہوتا ہے محبوب۔ غنچہ باغ کے سو حسینوں کی قربت کھائے ہوئے ہے یعنی سو حسینوں کے حسن پر فریفتہ ہے۔ یہ کسی کی

موجِ نگہ کے نیرنگ کا درس لے رہا ہے۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا یہ دور کے معنی ہیں۔ دوسرے مصرع میں سو حسینوں کا ذکر ہے اور پہلے میں کس نگہ سے محض ایک حسین کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے یہ تشریح زیادہ برجستہ نہیں۔ پہلی تشریح ہی بہتر ہے۔

سازِ وحشت رقمی ہا کہ بہ اظہارِ اسدؔ
دشت و ریگ آئینۂ صفحۂ افشاں زدہ ہے

صفحۂ افشاں زدہ: وہ کاغذ جس پر سنہرے روپہلے چھینٹے بنائے ہوں جو زیبائش کیلئے ہوتا ہے۔ اسد کے محاورے میں جنگل اور ریت کاغذِ افشاں زدہ کی طرح ہے یعنی اسے جنگل اور ریت بہت خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔ یہ وحشت کی تخلیق کا سامان ہے صفحے کی رعایت سے رقم لائے ہیں۔ صحرائے ریگ زار کو خوش آئند سمجھنا ابتدائے وحشت ہے۔

(۲۵۱)

خوابِ غفلت، بہ کمیں گاہِ نظر پنہاں ہے
شام سائے میں بہ تاراجِ سحر پنہاں ہے

نظر کو گھات لگانے کی جگہ کہا ہے جس کے پیچھے خوابِ غفلت چھپ کر ہمارے ہوش پر حملہ کیا چاہتا ہے یعنی غفلت ہمیشہ تاک میں رہتی ہے کہ ہمارے ہوش و عقل جاتے رہیں گویا رات سائے میں چھپ کر صبح کو برباد کرنے کی فکر میں ہے۔

دو جہاں گردشِ یک سبحۂ اسرارِ نیاز
نقدِ صد دل بہ گریبانِ سحر پنہاں ہے

اسرارِ نیاز: وہ راز و نیاز کی باتیں جو عاشق محبوب سے کرتا ہے۔ چونکہ نیاز کی راز بھری باتوں کو تسبیح سے تشبیہ دی ہے اس لئے اسی کی رعایت سے دوسرے مصرع میں سو دانوں کا ذکر کیا ہے۔ تسبیح میں سو دانے ہوتے ہیں۔ سو دل، عاشقوں کے دل ہیں جو نیاز سے بھرے ہیں۔ دونوں دنیا کیا ہیں ایک تسبیحِ نیازِ عاشق کی گردش چنانچہ صبح اپنے گریباں یعنی پیرہن میں نقدِ صد دل لئے ہے جو محبوب کے حضور پیش کرنے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ دنیا محبوبِ حقیقی کے حضور اظہارِ نیاز کے سوا کچھ نہیں۔

خلوتِ دل میں نہ کر دخل بجز سجدۂ شوق
آستاں میں صفتِ آئینہ در پنہاں ہے

دل کی تنہائی میں جب بھی تو داخل ہو شوق کا سجدہ کرتا ہوا جا ورنہ داخل نہ ہو۔ تو کہے گا اس میں جانے کا دروازہ تو ہے نہیں۔ دراصل ہے جس طرح آئینہ بظاہر ایک چوکھٹ یا دروازے کا چوکھٹا معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے خانے میں عکس کے داخلے کیلئے در ہوتا ہے اسی طرح آستانِ دل میں نفوذ کا در پوشیدہ ہے۔

فکرِ پروازِ جنوں ہے، سببِ ضبط نہ پوچھ
اشک، جوں بیضۂ مژہ سے، تہ پر پنہاں ہے

بیضۂ تہ بال ہونا: انڈے کو پروں کے نیچے رکھ کر سینا۔ ہم سے ضبطِ اشک کا سبب نہ پوچھ اشک وہ انڈا ہے جو پلک کے پروں نے اپنے نیچے چھپایا ہوا ہے۔ چونکہ پروں کے نیچے انڈے کو چھپا کر سیتے ہیں جس کے بعد اس میں سے بچہ نکل کر اڑتا ہے اس لئے ہمیں یہی فکر ہے کہ بیضۂ اشک کا بچہ پرواز نہ کر جائے۔ آنسو کا اُڑنا اس کا خشک و معدوم ہو جانا ہے۔ آنسو خشک ہوئے تو جنوں بھی پرواز کر جائے گا۔ اس لئے ہم آنسوؤں کو ضبط کئے ہوئے ہیں تاکہ یہ باہر نکل کر ختم نہ ہو جائیں۔

چونکہ رونے سے دل کی بھڑاس نکل جاتی ہے اس لئے ضبط کرنا جنوں کو زندگی اور بالیدگی دینا ہے۔

ہوش، اے ہرزہ دَرا! تہمتِ بے دردی چند؟
نالہ، در گروِ تمنائے اثر پنہاں ہے

ہرزہ دَرا: بے ہودہ باتیں کرنے والا۔ تہمتِ بے دردی: یہ تہمت کہ میرے دل میں درد و سوز نہیں ہے۔ اے معترض بے ہودہ باتیں نہ کر مجھ پر یہ تہمت نہ لگا کہ چونکہ میں نالہ نہیں کرتا اس لئے میرا دل دردِ عشق سے خالی ہے۔ میرا نالہ تمنائے اثر کی دھول میں چھپا ہوا ہے یعنی میں نالہ اس لئے نہیں کرتا کہ اس میں کوئی تاثیر نہیں۔ تمنا کر رہا ہوں کہ اثر پیدا ہو جائے۔ فی الحال اس ناکام تمنا نے نالے کو روکا ہوا ہے۔

وہمِ غفلت، مگر احرامِ فسردن باندھے
ورنہ، ہر سنگ کے باطن میں شرر پنہاں ہے

احرام باندھنا: نیت یا قصد کرنا۔ احرامِ فسردن باندھنا: مرجھا کر غائب ہو جانے کی تیاری کرنا۔ غفلت: کس کے لئے آیا ہے حسن کے لئے یا عشق کیلئے؟ شعر کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ (۱) اگر محبوب کو یہ وہم ہو کہ لوگ حسن کا مذاق نہیں رکھتے اس کی طرف سے غفلت برتتے

ہیں تو اس بدگمانی کو ختم ہو جانا چاہیئے۔ ہر پتھر کے اندر شرر پوشیدہ ہے اور ہر انسان کے دل میں جذبۂ عشق ہے۔ وہ رنگ دکھا کر رہے گا۔ (۲) ہمیں جو یہ وہم ہے کہ محبوب ہماری طرف سے غفلت برتتا ہے اب اسے غائب ہو جانا چاہیئے کیونکہ ہر پتھر کے دل میں چنگاری ہوتی ہے۔ ہمارے دل میں وہ آنچ ہے کہ اثر ہو کر رہے گا اور غفلت کا قلع قمع ہو جائے گا۔

وحشتِ دل ہے، اسدؔ، عالمِ نیرنگِ نشاط
خندۂ گل بہ لبِ زخمِ جگر پنہاں ہے

اسدؔ دل کی وحشت میرے لئے نشاط کی رنگارنگی کی دنیا ہے۔ زخمِ جگر کے ہونٹوں میں خندۂ گل کی کیفیت ہے یعنی میرے لئے درد و الم ہی میں راحت ہے۔

(۲۵۴)

کلفت، طلسمِ جلوۂ کیفیتِ دگر
زنگار خوردہ آئینہ، یک برگِ تاک ہے

کلفت کو زنگ سے اور دل کو آئینے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ رنج و کلفت میں ایک اور قسم کی کیفیت کا جلوہ ہے۔ خوشی کا نشہ اور ہوتا ہے رنج کا اور۔ زنگ لگا ہوا آئینہ انگور کے سرخی مائل پتے کی طرح ہوتا ہے۔ انگور آخر کار شراب اور نشے کا باعث بنتا ہے اس لئے زنگ خوردہ آئینے سے بھی کسی نشے کی امید کر سکتے ہیں اور یہ زنگ خوردہ آئینہ، دلِ کلفت زدہ ہے۔ وجہِ شبہ نہایت کمزور ہے۔ برگِ تاک سے شراب نہیں بنتی اور زنگ کھائے ہوئے آئینہ کو برگِ تاک کہنے کا بھی جواز نہیں کیونکہ انگور کا پتہ سرسبزی کی حالت میں سبز ہوتا ہے۔ افسردگی کی حالت میں زنگ کے رنگ کا ہو جاتا ہے۔

ہے عرضِ جوہرِ خط و خالِ ہزار عکس
لیکن ہنوز دامنِ آئینہ پاک ہے

ہزاروں تصویروں کے خط و خال آئینے پر پیش کئے جاتے ہیں لیکن آئینے کا دامن پاک صاف ہے۔ یہ آئینے کی پاک طینتی کی دلیل ہے۔ عرض اور جوہر میں رعایت ہے۔

ہوں خلوتِ فسردگیِ انتظار میں
وہ بے دماغ جس کو ہوس بھی تپاک ہے

بے دماغ : آزردہ و دل شکستہ۔ میں ایسا بے دماغ ہوں کہ کوئی کسی ہوس کو پیشِ نظر رکھ کر بھی بات کرے تو میں اسے تپاک اور گرم جوشی مانتا ہوں۔ اب میں تنہا پڑا ہوں اور انتظار کی افسردگی کے عالم میں ہوں۔ مجھے اگر مخلص اور پُرجوش دوست نہیں ملتا تو کم از کم ہوس پیشہ غرض مند ہی مل جاتا لیکن میں تنہا ہوں۔

(۲۵۳)

نظر پرستی و بے کاری و خود آرائی
رقیبِ آئینہ ہے حیرتِ تماشائی

حسن بے کار بیٹھا بیٹھا اپنی خود آرائی کیا کرتا ہے۔ آئینے میں خود کو دیکھ کر نظر بازی کرتا ہے۔ آئینہ اور عاشق تماشائی دونوں جلوۂ حسن کو دیکھ کر حیران ہوتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے رقیب ہیں۔

زخود گزشتنِ دل، کاروانِ حیرت ہے
نگہ غبارِ ادب گاہِ جلوہ فرمائی

از خود رفتہ اور بے خود ہو جانا قافلۂ حیرت کا گذرنا ہے یعنی شدتِ حیرت کی نشانی ہے عاشق کی نگاہ جلوۂ محبوب کے محترم مقام کا غبار ہے۔ نگہ کو غبار قرار دینا عجز کی وجہ سے ہے

بہ چشم در شدہ مژگاں ہے جو ہر رگِ خواب
نہ پوچھ نازکیِ وحشتِ شکیبائی

رگِ خواب : وہ رگ جسے پکڑنے سے بے ہوشی طاری ہو جائے۔ آنکھ کے اندر پلک کا بال ٹوٹ کر گر جائے تو کھٹک پیدا کرے گا۔ شکیبائی ضبط کے معنی میں ہے۔ ضبط کی وجہ سے طبیعت میں اتنی وحشت اور نازک مزاجی پیدا ہو گئی ہے کہ ذراسی ناگوار بات سے بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے مثلاً پلک کا بال آنکھ کے اندر جا پڑے تو رگِ خواب بن جاتا ہے یعنی ہم پر غشی طاری ہو جاتا ہے۔

خرابِ نالۂ بلبل، شہیدِ خندۂ گل
ہنوز دعویِ تمکین و بیمِ رسوائی؟

میں بلبل کا نالہ سن کر بے حال ہو جاتا ہوں۔ پھول کی ہنسی دیکھ کر ڈھیر ہو جاتا ہوں۔ طبیعت حسن و عشق سے اتنی متاثر ہوتی ہے اس کے بعد تمکنت کا دعویٰ اور رسوائی کا اندیشہ

رکھنا کیا معنی رکھتا ہے۔

شکستِ سازِ خیال آں سوئے گریۂ غم
ہنوز نالہ، پر افشانِ ذوقِ رعنائی!

گریہ : ٹیلا پشتہ، پر افشانِ ذوقِ رعنائی : حسنِ رعنا کو دیکھنے کے شوق میں پرواز کر کے تلاش کرنا۔ خیال کا باجا ٹوٹ گیا ہے۔ اس غضب کی شکست ہے کہ غم کے پشتہ سے اُس طرف جا پڑا ہے۔ یعنی غم سے بھی پرے کی کیفیت ہے لیکن ہمارا عشق باز نالہ اب بھی رعنائیوں کے ذوق میں بلند ہو رہا ہے۔ یعنی ہماری حالت اتنی خستہ ہو گئی ہے کہ غم سے بھی آگے کی منزل میں پہنچ گئے ہیں لیکن ابھی تک حسن کے شوق میں نالہ و فغاں کر رہے ہیں۔

ہزار قافلۂ آرزو، بیابانِ مرگ
ہنوز محملِ حسرت بہ دوشِ خود رائی

آرزو کے ہزار قافلے جنگل میں جا کر مر گئے لیکن ابھی تک ہم خود رائی و خود سری سے کام لے کر طرح طرح کی حسرتیں کئے جا رہے ہیں۔ محملِ حسرت کا خود رائی کے دوش پہ ہونا یعنی خود رائی کے سہارے حسرتیں کرنا۔ کہنا یہ چاہا ہے کہ ہزاروں آرزوئیں ناکام ہو گئیں اس کے باوجود ہم ناسمجھی سے مزید آرزوئیں کئے جا رہے ہیں۔ بیابانِ مرگ : وہ جو بیابان میں جا کر مرے اور اس کا حال کسی کو معلوم نہ ہو۔

وداعِ حوصلہ، توفیقِ شکوہ، عجزِ وفا
اسدؔ ہنوز گمانِ غرورِ دانائی؟

اسدؔ تیری یہ حالت تو ہو گئی کہ حوصلہ جاتا رہا۔ شکوہ کرنے کی توفیق ہو گئی یعنی موقع آ گیا اور وفا عاجز و مجبور ہو گئی۔ اب بھی تجھے دانائی کا دعویٰ اور غرور ہے۔

(۲۵۴)

کوشش ہمہ بے تاب ترددِ شکنی ہے
صد جنبشِ دل، یک مژہ برہم زدنی ہے

مژہ برہم زدن یا بہم زدن : پلک جھپکانا جو راحت اور ترددِ شکنی کی علامت ہے۔ ہماری کوشش تفکرات کو دور کرنے کے لئے بے چین ہے چنانچہ دل سو بار دھڑکتا تڑپتا ہے تاکہ ایک بار پلک جھپکنے کا چین نصیب ہو سکے جنبشِ دل کوششِ بے تاب کی نمائندہ ہے

پلک جھپکنا تشویش میں کمی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

گو حوصلہ بامردِ تغافل نہیں لیکن
خاموشیِ عاشق، گِلۂ کم سخنی ہے

بامرد: باہمت۔ گو ہمارے حوصلے کو اس کے تغافل کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں یعنی تغافل کا شکوہ کرنے کی جرأت نہیں لیکن عاشق کی خاموشی ہی محبوب کی کم سخنی کا گلہ ہے۔ کم سخنی نتیجہ ہے تغافل کا۔

دی لطفِ ہوانے بہ جنوں طرفہ نزاکت
تا آبلہ، دعوائے تنک پیرہنی ہے

ہوائے بہار نے جنوں کو اتنا نازک طبع بنا دیا کہ بارِ لباس بھی گوارا نہیں۔ آبلے تک کا کم لباسی کا مطالبہ ہے۔ آج کل بھی حسین اور نازک خواتین کم سے کم لباس پہنتی ہیں جنوں نے بھی یہی کیا۔ آبلے کا لباس پتلی ہو سکتا ہے وہ بھی آبلے کو برداشت نہیں۔ یا پھر اس کی کھال ہی اس کا پیرہن ہے اور وہ اسے دور کر کے کھل جانا چاہتا ہے۔

رامش گرِ اربابِ فنا، نالۂ زنجیر
عیشِ ابد، از خویش بروں تاختنی ہے

رامش گر: مغنی۔ از خویش بروں تاختن: بے خود یا بے ہوش ہونا۔ فنا پسند عاشقوں کیلئے ان کو باندھنے والی زنجیر کی جھنکار مغنی کا نغمہ ہے اور ہوش سے گزر جانا ابد الآباد کا عیش ہے۔

از بسکہ ہے محو بہ چمن تکیہ زدن ہا
گل برگ، پرِ بالشِ سروِ چمنی ہے

تکیہ زدن: بھروسہ یا سہارا رکھنا۔ پھول کی پنکھڑی باغ کا تکیہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ دوسرے کا سہارا لینے کا کیا نتیجہ نکلا خود اسے سرو کے تکیے کا پر بنا لیا گیا یعنی یہ اڑ کر سرو کی جڑ میں جا پڑی۔ دوسروں کا سہارا تکنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسرے تم پر غالب آجاتے ہیں۔

آئینہ و شانہ، ہمہ دست و ہمہ زانو
اے حسن، مگر حسرتِ پیماں شکنی ہے

شانہ ہمہ دست ہے اور آئینہ ہمہ زانو ہے یعنی تیرا ہاتھ بڑے زوروں میں شانہ

کرنے میں محو ہے اور زانو آئینہ کو جگہ دیئے ہوئے ہے لیکن ہمیں یہی حسرت ہے کہ ہم نے ضبط کا وعدہ کیا تھا۔ کاش ہم اسے توڑ سکتے اور تیرے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کر سکتے

فریاد "اسد" بے نگہی ہائے بتاں سے
سچ کہتے ہیں واللہ کہ اللہ غنی ہے

بے نگہی: بے التفاتی۔ اسد بتوں کی بے التفاتی سے فریاد۔ سچ کہا ہے کہ صرف اللہ غنی اور رئیس ہے وہی دوسروں کو دے سکتا ہے۔ بتوں سے کوئی امید نہیں کہ وہ دوسروں کو نواز سکیں۔ اللہ اور بتوں میں تضاد ہے۔

(۲۵۵)

کاشانۂ ہستی کہ بر انداختنی ہے
یاں سوختنی اور وہاں ساختنی ہے

خانہ بر انداختن: گھر کو لٹا دینا، برباد کر دینا۔ ہستی کا مکان برباد کرنے کے لائق ہے یہاں اسے جلا دیجئے اور دوسری دنیا میں بنا لیجئے۔ یعنی اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے۔ اس طرح زندگی موجبِ آزار ہے۔

ہے شعلۂ شمشیرِ فنا، حوصلہ پرواز
اے داغِ تمنا، سپر انداختنی ہے

فنا کی تلوار کی آنچ حوصلہ دکھا رہی ہے یعنی وار کیا چاہتی ہے۔ اے ناکام تمنا کے داغ شکست مان لینے کا وقت آگیا ہے۔ سپر ڈالنا: ہار ماننا۔ داغ کو شعلے کے سامنے ہار مان ہی لینی چاہیے۔ ابھی تمنا پوری نہیں ہوئی کہ موت آگئی۔

بجز خاک بہ سر کردنِ بے فائدہ حاصل؟
ہر چند بہ میدانِ ہوس تاختنی ہے

ہر چند ہوس کے میدان میں دوڑنا ضروری ہے لیکن اس سے بے فائدہ سر پر خاک ڈال لینے کے سوا اور کیا حاصل ہوگا۔ اپنے سر پر خاک ڈالنا پریشانی یا بیکسی کی نشانی ہے۔

اے بے ثمراں، حاصلِ تکلیفِ دمیدن
گردن، بہ تماشائے گل، افراختنی ہے

اے وہ لوگو کہ پھل تو تمہاری قسمت میں ہے نہیں تو نے محنت کر کے پودوں کو سر سبز

کیا۔ اور ان پھول کھل گئے تو تمہیں کیا حاصل ہوا؟ صرف یہی کہ گردن کو اونچا کرنے کی زحمت کرو اور پھول کو تاکو۔

ہے سادگیِ ذہن، تمنائے تماشا
جائے کہ اسدؔ، رنگِ چمن باختنی ہے

رنگ باختن: رنگ اڑنا۔ اے اسد جس جگہ باغ کا رنگ اڑنے والا ہے وہاں تماشا اور جلوہ کی تمنا کرنا ذہن کی سادہ لوحی ہے۔ دنیا ایسا ہی باغ ہے جس کا رنگ ایک نہ ایک دن اڑ جاتا ہے۔ پھر یہاں خواہش تماشا سے کیا حاصل۔

(۲۵۶)

گلستاں، بے تکلف پیش پا افتادہ مضموں ہے
جو تو باندھے کفِ پا پر حنا آئینہ موزوں ہے

حنا باندھنا یا حنا بستن: حنا لگانا۔ یہ عورتوں کیلئے مخصوص ہے۔ مردوں کیلئے حنا مالیدن کہتے ہیں۔ اے محبوب اگر تو پاؤں پر حنا لگائے اور کوئی اسے گلستاں سے تشبیہ دے تو یہ بہت سامنے کی بات ہوگی۔ اسے آئینہ قرار دینا زیادہ مناسب ہے۔

بہارِ گل، دماغِ نشۂ ایجادِ مجنوں ہے
ہجومِ برق سے چرخ و زمیں یک قطرۂ خوں ہے

دماغِ نشۂ ایجاد: نشۂ ایجاد سے بھرا ہوا دماغ۔ فصلِ بہار مجنوں کے نشۂ ایجاد سے مست دماغ کا کرشمہ ہے۔ مجنوں سے مراد انساں ہے۔ بہارِ گل، دنیا کی رونق ہے۔ دنیا کی بہار انسان کے نشۂ ایجاد کے دماغ کی دین ہے۔ انسان ایجاد کرتا ہے اس پر برق گر کر خون بہا دیتی ہے۔ اس طرح دنیا میں ہر طرف برق ہی برق ہیں اور ہر طرف ان کی خوں ریزی ہے۔ زمین اور آسمان ایک قطرۂ خوں معلوم ہوتے ہیں۔ یہی اس دنیا کی بہار اور رونق ہے۔ اگر انسان ایجاد و اختراع نہ کرے تو فنا کہاں سے آئے۔ ایک چیز کے مٹنے کے بعد دوبارہ ایجاد کی جاتی ہے اور دوبارہ اس پر برق گرتی ہے۔

ہجومِ گریہ سوئے دل، خوشا سرمایۂ طوفاں
بر انگشتِ حسابِ اشک، ناخن نعلِ واژوں ہے

انگشتِ حساب: وہ انگلی جس کے پوروں پر گن گن کر حساب لگائیں۔ انگشتِ حسابِ اشک: وہ انگلی جو آنسوؤں کا حساب لگاتی ہو یعنی جس سے آنسو پونچھا جائے۔ نعلِ واژوں:

مویشیوں کے چور مویشیوں کے پاؤں میں الٹی نعل پہنا کر لے جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور مخالف سمت کو گیا ہے۔ اس طرح نعل واژوں کے معنی کسی کو گمراہ کرنا۔ دل کی طرف آنسوؤں کا ہجوم ہے۔ طوفان آنے والا ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے۔ آنسوؤں کا حساب رکھنے والی انگلی کا ناخن خشک ہے اسے علم ہی نہیں کہ پل میں کیا ہو جائے گا۔ اسی کا سوکھا ناخن نعلِ واژوں کی طرح گمراہ کر رہا ہے۔ انگشت کی مشابہت حیواں کے نعل سم سے ہے۔

عدم، وحشت سراغ، و ہستی آئینہ بندِ رنگینی
دماغِ دو جہاں پر سنبل و گل یک شبِ خوں ہے

نسخۂ عرشی میں شبیخوں چھپا ہے جو صحیح نہیں، شبِ خوں چاہیئے۔ شبِ خوں اور شبیخوں بغیر اضافت دونوں طرح صحیح ہے۔ شعر میں بہار کی تاثیر دکھائی ہے۔ پھولوں سے دنیا رنگین ہو جاتی ہے لیکن عاشقوں کے دماغ پر اس کا مخصوص اثر ہوتا ہے فصلِ بہار فصلِ وحشت بھی ہوتی ہے عدم اور ہستی دونوں میں بہار کا ردِّ عمل ہے۔ عدم کے حصے میں وحشت آئی ہے اور ہستی نے رنگینی اور آئینہ بندی کی ہوئی ہے۔ یعنی دونوں عالموں کے دماغوں پر پھولوں نے شبِ خون مار کر قبضہ کر لیا ہے رعایت یہ ہے کہ سنبل کی مشابہت شب سے اور گل کی خون سے ہے۔ اس طرح سنبل و گل کی مشابہت شبِ خوں سے ہوئی۔

تماشا ہے علاجِ بے دماغی ہائے دل، غافل
سویدا مردمِ چشمِ پری، نظارہ افسوں ہے

بے دماغی: نازک مزاجی، بے زاری۔ پری دوانا: اپنے سائے سے یا شاید اپنے دیدار ہی انسان کو مجنوں کر دیتی ہے لیکن بعض افسونوں سے پری پر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ کہتے ہیں دل کی بے زاری کا علاج دنیا کی سیر اور مشاہدہ کرنا ہے۔ جنوں زدہ دل اگر پری کی آنکھ کی پتلی ہے تو دنیا کا نظارہ افسوں ہے جو چشمِ پری کے جنوں کا تدارک کر سکتا ہے۔ ایک اور ملتا جلتا شعر ہے۔

اسدؔ ہے دل اگر افسردہ ہے گرمِ تماشا ہو
کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

فنا کرتی ہے زائل سر نوشتِ کلفتِ ہستی
سحر از بہرِ شست و شوئے داغِ ماہ صابوں ہے

سرنوشتِ کلفت: سرنوشتِ پرکلفت۔ مرنے کے بعد زندگی کی غم زدہ تقدیر سے رہائی ہو جاتی ہے۔ صبح چاند کے داغ کو اس طرح دھو دیتی ہے جیسے کپڑے کے داغ کو صابون دھو دے۔ صبح موت ہے۔ چاند زندگی۔ صبح نے چاند کی کلفت دور کر دی۔ نہ مرض رہا نہ مریض

اسدؔ ہے آج مژگانِ تماشا کی حنا بندی
چراغانِ نگاہ و شوخیِ اشکِ جگر گوں ہے

حنابندی: شادی سے پہلے لڑکی کی حنابندی کا جشن۔ اسدؔ آج نظارہ کرنے والی پلکوں کی حنابندی ہے۔ خونِ جگر کے رنگ کے آنسو پلکوں پر آکر شوخی دکھائیں گے اور خوشی میں نگاہ چراغاں کرے گی یعنی نگاہ روشن ہو گی۔ پلکوں پر خون کے آنے کو حنابندی قرار دیا ہے۔

(۲۵۷)

گدائے طاقتِ تقریر ہے، زباں تجھ سے
کہ خامشی کو ہے پیرایۂ بیاں تجھ سے

اس غزل میں عموماً خدا سے خطاب کیا گیا ہے۔ زبان تجھ سے تقریر کی صلاحیت کی بھیک مانگتی ہے۔ خاموشی کو بیان کا زیور تجھی سے ملتا ہے۔

فسردگی میں ہے فریادِ بے دلاں تجھ سے
چراغِ صبح و گلِ موسمِ خزاں تجھ سے

بے دل لوگ افسردگی کے عالم میں تجھی سے فریاد کرتے ہیں۔ صبح کا چراغ اور موسمِ خزاں کا پھول افسردہ و بے رنگ ہوتے ہیں۔ یہ دونوں تجھ سے فریاد کر رہے ہیں کہ انھیں رونق تازہ عطا کر۔

بہارِ حیرتِ نظّارہ سخت جانی ہے
حنائے پائے اجل، خونِ کشتگاں تجھ سے

پایہ حنا بستن: پاؤں کا بیکار و معطل ہونا۔ پا در حنا: پاؤں کا مجروح ہونا۔ اس طرح حنائے پا سے مراد پاؤں کو چلنے سے باز رکھنے والی شے ہے۔

نظّارہ کرنے والی کی شدّتِ حیرت اس کی سخت جانی کا موجب ہوتی ہے یعنی اس کی جان نہیں نکلنے دیتی۔ اے محبوب تیرے کشتے یا زخمی حیرتِ نظّارہ میں گم ہیں۔ ان کا خون موت کے پاؤں کیلئے حنا بن گیا ہے یعنی موت کو چلنے سے باز رکھتا ہے اور موت ان تک نہیں آ سکتی۔ اس لئے وہ سخت جانی سے گزار رہے ہیں۔

پری بہ شیشہ و عکسِ رُخ اندر آئینہ
نگاہِ حیرتِ مشّاطہ، خوں فشاں تجھ سے

اے محبوبِ حقیقی تو نظر تو نہیں آتا لیکن موجوداتِ عالم میں تیرا عکس ہے۔ یہ ایسی بات ہوئی جیسے پری شیشہ میں بند ہو اور اس کے چہرے کا عکس آئینے میں دکھائی دے۔ حیرت کی بات ہے۔ مشّاطہ کی نگاہ اس اعجوبے پر حیرت کے مارے خوں ٹپکا رہی ہے۔

یہ معنی وہ ہیں جو آسی اور وجاہت علی صاحبان نے بیان کئے ہیں۔ پہلے مصرع کے ایک اور معنی ہو سکتے ہیں۔ "و" محض تشبیہ کیلئے ہے۔ اے محبوب آئینے کے اندر تیرے چہرے کا عکس اتنا حسین ہے کہ شیشے میں پری معلوم ہوتی ہے۔ تیری زیبائی کو دیکھ کر مشّاطہ کی حیرت آمیز نگاہیں خوں فشاں ہو رہی ہیں۔ خوں فشانی غالباً پسندیدگی کی وجہ سے ہے۔ اس طرح شعر مجاز میں ہوا۔ میرے نزدیک یہی تشریح بہتر ہے۔

طراوتِ سحر ایجادیِ اثر یک سو
بہارِ نالہ و رنگینیِ فغاں تجھ سے

اثر میں طراوتِ صبح بھری ہوتی ہے۔ یہ تاثیر تیری ہی وجہ سے ہے۔ اور یہ تو بڑی بات ہے نالہ و فغاں کی بہار بھی تیرے ہی دم سے ہے۔ تیرے ہی عشق میں نالے کئے جاتے ہیں تو ہی ان نالوں میں اثر لاتا ہے۔

چمن چمن گل آئینہ در کنارِ ہوس
اُمید محوِ تماشائے گلستاں تجھ سے

آسی نے اس شعر کے یہ معنی لکھے ہیں۔

ہر چیز پر تیرا لطف و کرم عام ہے۔ ادھر ہوس کی آغوش میں تو نے سینکڑوں چمن بھر دیئے ہیں اور ادھر اُمید کی نظر کے سامنے تو نے ایک باغ لگا دیا ہے اور اس کو چمنستان کا تماشائی بنا دیا ہے۔

وجاہت علی نے اسی قسم کے معنی لکھ کر اضافہ کیا ہے اس شعر میں ایک بلیغ طنز بھی پوشیدہ ہے۔ ہوس پرستوں کو تو نے چمن کے چمن بخش دئے ہیں لیکن میری اُمید جو کہ محض تجھ سے وابستہ ہے صرف دور سے چمن کا تماشا کر رہی ہے اور اس کی لطف اندوزی سے ہنوز محروم ہے۔ لیکن شعر میں کنارِ ہوس میں گل نہیں بلکہ گلِ آئینہ رکھے ہیں۔ میری رائے میں ہوس

اور اُمید رسانا ایک ہی شخص سے وابستہ ہیں اور وہ شاعر یا عاشق ہے۔ گلِ آئینہ: آئینہ جو پھولوں کی طرح ہے۔ ہوس کے پہلو میں گلِ آئینہ کے کئی باغ بھرے ہوئے ہیں یعنی عاشق کی ہوس اپنے پاس کئی آئینے رکھتی ہے کہ تو آکر ان میں اپنا عکس ڈالے (شاید خود آرائی کے وقت) اور عاشق کو اُمید ہوتی ہے کہ وہ آئینے میں باغ کا تماشا دیکھے گا یعنی عکسِ رُخِ یار سے بہار کی کیفیت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ تماشائے گلستاں ابھی وجود میں نہیں آیا۔ صرف اس کی اُمید ہے یعنی مستقبل میں متوقع ہے۔ اسی کیلئے ہوس آئینے لئے پھرتی ہے۔

نیاز، پردۂ اظہارِ خود پرستی ہے
جبینِ سجدہ فشاں تجھ سے آستاں تجھ سے

نیاز دکھانا، دراصل تجھ سے اپنے وجود کو علیحدہ کرنا ہے اور یہ امتیاز ایک طرح کی خود پرستی ہے۔ اس طرح نیاز خود پرستی پر پردہ ڈالنے کی کوشش ہے ورنہ میری جبین بھی تیرے دم سے ہے اور تیرا آستاں تو تیرا ہے ہی۔ ہمیں اپنے وجود کی نمائش کا موقع ہی کیا ہے

بہانہ جوئیِ رحمت، کمیں گرِ تقریب
وفائے حوصلہ و رنجِ امتحاں تجھ سے

تو ہمیں امتحاں کی تکلیف دے رہا ہے ہمارا حوصلہ وفا کر رہا ہے اور ساتھ دے رہا ہے یہ تیرا ہی فیض ہے۔ تیری رحمت بہانہ ڈھونڈھ رہی ہے کہ کسی تقریب سے ہمیں نواز دے۔

اسدؔ طلسمِ قفس میں رہے، قیامت ہے
خرام تجھ سے، صبا تجھ سے، گلستاں تجھ سے

تو نے صبا اور گلستاں کو پیدا کیا لوگوں کو خرام کی اجازت دی لیکن اسد قفس میں بند ہے غضب ہے۔

(۲۵۸)

حکمِ بے تابی نہیں اور آرمیدن منع ہے
باوجودِ مشقِ وحشت ہا رمیدن منع ہے

ہر چیز پر پابندی ہے۔ تڑپنے کی اجازت نہیں اور آرام کرنا بھی منع ہے۔ وحشت کی بہت سی مشق کی ہے لیکن بھاگ دوڑ ممنوع ہے۔

شرم، آئینہ تراشِ جبہۂ طوفاں ہے
آب گردیدن روا، لیکن چکیدن منع ہے

آسی نے اس شعر کے یہ معنی لکھے ہیں۔

"شرم نے طوفان کی پیشانی کو آئینۂ حیرت بنا دیا ہے اور وہ نہایت ہی شرمندہ ہے کیونکہ قانونِ عشق یہ ہے کہ آب ہو جائے لیکن چکیدن کی صورت پیدا نہ ہو"۔ ان کے علاوہ ایک اور معنی ممکن ہیں۔ آئینہ بر پیشانی بستن: ایران کی ایک رسم ہے کہ تولید کے وقت زچّہ کی پیشانی پر آئینہ باندھتے ہیں۔ آئینہ بر پیشانی کے معنی کسی چیز کا ظاہر ہونا۔ شرم طوفان کی پیشانی کیلئے آئینہ تراش رہی ہے۔ یعنی طوفان سے کچھ ظاہر ہونے والا ہے اور یہ ہے کہ شرم سے پانی پانی ہو جانا روا ہے لیکن آنسو ٹپکانا منع ہے۔ اس لئے زور کا طوفان آئے گا۔ ترشح کی شکل نہیں ہوگی۔ لیکن اس تشریح میں شرم کے کوئی معنی ہی نہ ہوئے۔ نسخۂ شیرانی میں پہلا مصرع یوں بنا دیا گیا۔ ع

شرم آئینہ تراشِ جبہۂ طوفاں بہا

عرشی اختلافِ نسخ میں نوٹ لکھتے ہیں کہ "بہا" شاید "تھا" ہے۔ میری رائے میں یہ ممکن نہیں کیونکہ اس صورت میں شرم کے ساتھ "تھی" آنا چاہیئے تھے۔ بہا سے معنی نکل سکتے ہیں اور یہی بہتر ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

شرم آئینہ تراشِ جبہۂ طوفاں بہا
آب گردیدن روا لیکن چکیدن منع ہے

جبہۂ طوفاں بہا: وہ پیشانی جو طوفان کی قیمت رکھتی ہے یعنی جو خواص اور تاثیر میں بالکل طوفان ہے۔ شرم سے پانی پانی ہونا محاورہ ہے۔ یاد رہے کہ طوفان بھی پانی پانی ہوتا ہے۔ چکیدن یا ٹپکنا ایک طرف اشک باری کیلئے آسکتا ہے تو دوسری طرف پیشانی پر شرم کی بوندیں آنے کے لئے۔ کہتے ہیں کہ شرم نے میری طوفان جیسی پیشانی پر آئینہ باندھ دیا ہے یعنی میری پیشانی ایک بات کا اظہار کر رہی ہے۔ وہ بات یہ اصول ہے کہ "بالکل پانی بن جانا جائز ہے۔ بوند بوند ہو کر ٹپکنا ممنوع ہے" اس سے معلوم ہوا کہ شرم میں میری پیشانی چند بوندیں ہی نہیں بلکہ طوفان کا طوفان خارج کرے گی۔ تاکہ "آب گردیدن" کا اطلاق ہو سکے۔

اس شعر میں "آئینہ" پیشانی کی تشبیہ کیلئے نہیں ہو سکتا۔ محبوب کو آئینہ پیشانی کہتے ہیں لیکن عرقِ شرم والی پیشانی کو آئینہ سے تشبیہ نہیں دے سکتے

بے خودی فرماں روائے حیرت آبادِ جنوں
زخم دوزی جرم و پیراہن دریدن منع ہے

جنوں کو حیرت آباد کہا ہے کیونکہ مجنوں ہر چیز کو حیرت سے دیکھتا ہے۔ جنوں کے ملک میں بے خودی اور از خود رفتگی کا راج ہے اس لئے اچھے برے کسی بھی کام کی طرف توجہ نہیں۔ زخم کھلا ہے تو اس میں ٹانکے لگانے کا ہوش نہیں۔ پیراہن ثابت ہے تو اس کے پھاڑنے کی اجازت نہیں۔ جوشِ جنوں میں زخم دوزی غیر مطبوع ہے اور پیراہن کو چاک کرنا نہایت مستحسن لیکن شدتِ بے خودی کی وجہ سے پیراہن دریدن جیسا ضروری کام نہیں کر پا رہے ہے۔

مژدۂ دیدار سے رسوائی اظہار دور
آج کی شب چشم کو کب تک پریدن منع ہے

چشم پریدن: آنکھ کا پھڑکنا ہلنا۔ مجھے محبوب کے دیدار کی خوش خبری ملی ہے چاہتا ہوں اس خبر کی تشہیر نہ ہو اور یہ کسی پر ظاہر نہ ہو۔ کسی آنکھ کو اس طرف دیکھنے کی اجازت نہیں حد یہ ہے کہ تاروں کی آنکھ کو بھی پھڑکنا یا ادھر دیکھنا ممنوع ہے۔

بیم طبعِ نازکِ خوباں سے، وقتِ سیرِ باغ
ریشۂ زیرِ زمیں کو بھی دویدن منع ہے

پیڑوں اور بیجوں کے ریشے زمین کے نیچے دوڑتے اور بڑھتے ہیں لیکن حسین جب باغ کی سیر کو آتے ہیں تو ان کی نازک طبیعت کے ڈر سے باغ میں کوئی بھی بھاگ دوڑ کی جرأت نہیں کر سکتا حتیٰ کہ زیرِ زمیں بھی۔

یار معذورِ تغافل ہے، عزیزاں شفقتے!
نالۂ بلبل بہ گوشِ گل شنیدن منع ہے

عزیزو، یار تغافل کے لئے مجبور ہے۔ ذرا اس پر مہربانی کرو۔ پھول کے کان میں بلبل کے نالے کی آواز نہیں پہنچتی (کیونکہ پھول کا کان سماعت کر ہی کہاں سکتا ہے) اس کی مشابہت پر محبوب ہماری فریاد نہیں سن سکتا۔ پھول کان سے مشابہ ہوتا ہے۔

مانعِ بادہ کشی نادان ہے لیکن اسدؔ
بے ولائے ساقیِ کوثر کشیدن منع ہے

شراب پینے سے روکنے والا نادان ہے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ساقیِ کوثر حضرت علی کی محبت کے بغیر پینا منع ہے یعنی ساقیِ کوثر ہی پلائے تو پیو۔

(۲۵۹)

قتلِ عشاق نہ غفلت کشِ تدبیر آوے
یارب آئینہ بہ طاقِ خمِ شمشیر آوے

پہلے زمانے میں آئینہ طاق میں رکھتے تھے جس کے آگے حسینائیں آرائش کرتی تھیں کہتے ہیں قتلِ عشاق تدبیر کی غفلت میں مبتلا نہ ہو یعنی ایسا نہ ہو کہ حسینوں کی غفلت کی وجہ سے قتل نظر انداز ہو جاوے۔ کیا اچھا ہو اگر آرائش کا آئینہ خمِ شمشیر کے طاق میں رکھا ہو جب وہ آرائش کیلئے آئینہ طلب کریں خمِ شمشیر سامنے آجائے اور وہ لگے ہاتھوں عاشقوں کا کام تمام کر دیں۔ خمِ شمشیر کو طاق سے تشبیہہ دی ہے۔

بالِ طاؤس ہے، رعنائیِ ضعفِ پرواز
کون ہے داغ کہ شعلے کا عناں گیر آوے

رعنائی: نازکی کے سبب سے سست رہنا، خوشنمائی۔ شعلہ بہت کمزوری کے ساتھ پرواز کرتا ہے لیکن خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ اپنی رعنائی کی وجہ سے وہ طاؤس کے پر کی طرح خوش رنگ ہے۔ شعلے کا نیلا رنگ داغ کی طرح ہے یہی داغ شعلے کو تیز رفتاری سے روک رہا ہے۔ یہ کا ہے کا داغ ہے؟ عناں گیر ہونا: کسی سوار کی لگام پکڑ کر مانعِ سفر ہونا۔ داغ مایوسی یا حسرت کا نتیجہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے قوتِ عمل سلب ہو جاتی ہے گویا وہ عناں گیر ہوتا ہے۔ شعلے میں سستیِ پرواز سے نزاکت تو پیدا ہو گئی لیکن یہ کمزوری ہے کس وجہ سے؟

اگر مصرعِ اولیٰ کا مبتدا و خبر بدل دیا جائے تو یہ معنی ہو سکتے ہیں ' طاؤس کے پر میں ضعفِ پرواز کی وجہ سے ایک رعنائی و زیبائی آگئی ہے۔ طاؤس شعلے کی طرح تیزی سے پرواز کر سکتا تھا لیکن اس کے داغوں نے اس کی عناں پکڑ رکھی ہے۔ یہ کا ہے کا داغ ہے؟ اسے کون سی مایوسی ہے جس کی وجہ سے اس کے قویٰ میں ضعف آگیا ہے۔

پہلے معنی بہتر ہیں۔

عرضِ حیرانیِ بیمارِ محبت معلوم
عیسیٰ آخر بہ کفِ آئینۂ تصویر آوے

بہ کفِ آئینۂ تصویر: ہاتھ پر آئینۂ تصویر لیے ہوئے۔ آئینۂ تصویر: تصویر پر شیشے کا فریم یا آئینے پر بنائی ہوئی تصویر۔ آئینہ اور تصویر دونوں حیرانی کی علامت ہیں نیز آئینۂ

تصویر میں کسی حسین کی تصویر ہونی چاہیئے۔ بیمارِ محبت اپنی حیرانی و پریشانی تو طبیب سے کیا بیان کرے گا۔ بہتر ہوگا کہ طبیب یا عیسیٰ ہاتھ میں آئینۂ تصویر لے کر آوے جس سے بیمار کی بیماری کی وجہ یعنی کسی حسین سے محبت نیز حیرت دونوں باتیں ظاہر ہو جائیں اور بیمار کو کچھ کہنے کی ضرورت نہ رہے۔

ذوقِ راحت اگر احرامِ تپش ہو، جوں شمع
پائے خوابیدہ، بہ دل جوئیِ شبگیر آوے

پائے خوابیدہ: سویا ہوا پاؤں۔ شب گیر: آدھی رات کے بعد اُٹھ کر سفر پہ جانے والا ذوقِ راحت اگر بے قراری کا ملبوس بنے تو رات میں سفر کرنے والے کی تسکین کیلئے اس کا پاؤں سو جائے تاکہ وہ مسلسل چلنے کے عذاب سے راحت پا سکے۔ شمع رات بھر جلتی ہے گویا ایک شبگیر کی طرح محوِ سفر ہے لیکن اس کا پاؤں ٹھہرا رہتا ہے یعنی سوئے ہوئے پاؤں کی طرح ہے۔ ذوقِ راحت مسافرِ شب گیر کو پائے خوابیدہ کے ذریعے آرام پہنچا سکتا ہے۔

مندرجہ بالا تشریح میں احرام کے معنی محض ملبوس یا پردہ دار کے لئے گئے ہیں احرام باندھنے کے معنی قصد یا نیت کرنے کے ہوتے ہیں۔ غالب نے اگر اس شعر میں محض احرام کو احرام لپیٹن کے معنی میں لیا ہے تو شعر کے معنی بالکل اُلٹ جائیں گے۔ ذوقِ راحت اگر تڑپنے یا پریشان کرنے کا ارادہ کرے تو رات میں چلنے والے مسافر کا پاؤں سُلا دے۔ پاؤں کا سونا بظاہر آرام ہے کہ چلنے سے نجات دلاتا ہے لیکن در اصل تکلیف وہ ہے۔ جس طرح شمع کا پاؤں سویا ہوتا ہے (کیونکہ وہ رات بھر پاؤں پر کھڑی رہتی ہے) اس کے باوجود وہ جلتی ہے

اس بیاباں میں گرفتارِ جنوں ہوں کہ جہاں
موجۂ ریگ سے دل پائے بہ زنجیر آوے

میں جنوں کے باعث ایسے بیاباں کی جولانی میں اسیر ہوں جہاں ریت کی موجوں نے پاؤں ہی کو نہیں دل کو بھی بہ زنجیر کر دیا ہے یعنی جہاں اس شدّت سے ریت اُڑتی ہے کہ چلنا پھرنا نا ممکن ہے اور دل پریشان رہتا ہے۔

وہ گرفتارِ خرابی ہوں کہ فوّارہ نمط
سیل، صیادِ کمیں خانۂ تعمیر آوے

کمیں خانہ: کمیں گاہ۔ صیّادِ کمیں خانۂ تعمیر: وہ صیّاد جو تعمیر کو گرفتار کرنے کی کمیں گاہ

میں مکیں ہو۔ فوّارہ بنایئے اس کے ساتھ ساتھ سیل آب بھی وجود میں آئے گا۔ میری تعمیر کی بھی یہی صورت ہے کہ عمارت بننے کے ساتھ ہی سیل اس کی بنیاد کو بہا لے جانے کیلئے پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح میں فوّارے کی طرح ہوں کہ تخریب میری تعمیر کے ساتھ ملزوم ہو گئی ہے۔

سرِ معنی بہ گریبانِ شقِ خامہ، اسد
چاکِ دل، شانہ کشِ طرّۂ تحریر آوے

سر بہ گریباں: فکر یا شرمندگی کے باعث سر نیچا کرنا۔ یہاں فکر و ملال ملحوظ ہے۔ قلم کے شگاف کو گریبان سے تشبیہ دی ہے۔ دوسرے مصرع میں دلِ چاک چاک کو شانے سے اور تحریر کی سطر کو زلف سے تشبیہ دی ہے۔ ہماری تحریر میں معنی کا سر قلم کے شگاف میں جھکا ہے یعنی معانی بہت ملال آمیز ہیں۔ چاکِ دل تحریر کی زلفوں کو سنوار رہا ہے یعنی تحریر میں زورِ بیاں پیدا کر رہا ہے۔ گویا ہماری تحریر یا شاعری کا سرمایہ ملال اور دل شکنی ہی ہیں۔

(۲۶۰)

تا چند، نفس، غفلتِ ہستی سے بر آوے
قاصد، تپشِ نالہ ہے، یارب خبر آوے

سانس غفلتِ ہستی سے دوچار ہے یعنی ہستی ہمارے سانس (جو علامتِ حیات ہے) کی طرف سے غفلت برتنا چاہتی ہے۔ سانس کہاں تک اس سے بازی لے جاوے۔ اس نے نالے کی تڑپ کو ہستی کے پاس بطورِ قاصد بھیجا ہے تاکہ وہ ہستی کی خبر لائے یعنی ہمارے سانس پر ہمیشہ ہستی کے فقدان کا گمان ہوتا ہے جب ہم نالہ کریں تو ہستی کے آثار نظر آتے ہیں۔

ہے طاقِ فراموشیِ سودائے دو عالم
وہ سنگ کہ گلدستۂ جوشِ شرر آوے

طاقِ فراموشی: وہ طاق جس پر کسی چیز کو رکھ کر بھول جائیں۔ گلدستۂ جوشِ شرر: پتھر میں سے بہت سی چنگاریاں نکلنا۔ لڑکے کسی کے سر میں اس زور سے پتھر کھینچ کر ماریں کہ شرر نکلنے لگیں تو یہ پتھر دونوں دنیا کے ہر قسم کے سودا کو بھلا دے گا

درد، آئینہ کیفیتِ صد رنگ ہے، یارب
خمیازہ، طربِ ساغرِ زخمِ جگر آوے

آئینہ کیفیت: آئینے کی سی کیفیت رکھنے والا۔ طربِ ساغر: ساغرِ طرب۔ درد طرح طرح

کے رنگوں کا آئینہ ہے یعنی بڑی خوش گوار چیز ہے۔ کاش ہماری انگڑائی زخمِ جگر کا ساغرِ طرب بن جائے۔ تمیانے کو ساغر سے تشبیہ دینا عام بات ہے۔ یہ زخمِ جگر کا ساغر بنانا چاہتے ہیں اور اس ساغر کو طرب آمیز قرار دیتے ہیں گویا ان کے لئے درد میں سوز رنگ پائے جاتے ہیں۔ اور انگڑائی میں زخمِ جگر کا نشہ ملانا چاہتے ہیں۔

جمعیتِ آوارگیِ دید نہ پوچھ

دل تا مژہ، آغوشِ وداعِ نظر آوے

آوارگیِ دید: دید کا ہر طرف پھرنا۔ آغوشِ وداع: کسی کو وداع کرتے وقت بغل گیر ہونا۔ شاعر نے یہ اچھوتا خیال پیش کیا ہے کہ نظارے کے لئے نظر ڈالنے سے پہلے جسم کے اندر نظر کو وداع کیا جاتا ہے۔ دل سے لے کر پلک تک کا مقام ایک آغوشِ وداع ہے جو باہر جانے والی نظر کو رخصت کر رہا ہے۔ ہماری دید کی کثرتِ سیر کے بارے میں نہ پوچھئے۔ دل سے آنکھوں تک نظریں پھیلی ہوئی ہیں ایک مجمع ہے۔ انھیں باہر بھیجنے کے تکلفات برتے جا رہے ہیں۔

اے ہرزہ دوی، منتِ تمکینِ جنوں کھینچ

تا آبلہ محملکشِ موجِ گہر آوے

ہرزہ دوی: بے مقصد ادھر ادھر بھاگنا۔ تمکین: استقلال۔ اے آوارہ گردی تو جنون کی متانت اور استقلال اختیار کر۔ قدرے دوا دوی دھیمی کر دے تاکہ آبلہ موجِ گوہر کا محمل چلا سکے یعنی موجِ گوہر کو معرضِ وجود میں لائے۔ اگر جولانی کم کر دی جائے گی یا چند سے ختم کر دی جائے گی تو پاؤں میں مسلسل کئی آبلے محفوظ رہ جائیں گے جو موجِ گوہر جیسے معلوم ہوں گے۔ اگر ہرزہ دوی جاری رہی تو آبلہ گوہر نہ بن پائے گا۔ ہرزہ دوی بے مقصد بھاگ دوڑ کرنا ہے۔ تمکینِ جنوں کسی سودے کو لے کر بیٹھ جانے کو کہیں گے۔

زاہد، کہ جنوں سبحہ تحقیق ہے، یارب

زنجیریِ صد حلقۂ بیرونِ در آوے

سبحہ تحقیق سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ محاورہ ہے تو اس کا ذکر کسی لغت میں نہیں میں نے قاضی عبدالودود سے ملاقات کے دوران اس ترکیب اور شعر کے معنی دریافت کئے۔ انھوں نے بھی "سبحہ تحقیق" سے عدمِ واقفیت کا اظہار کیا۔ اس کے معنی ہیں کہ یہ کوئی محاورہ نہیں۔ ظاہراً یہ تحقیقِ سبحہ کا مقام ہے لیکن شعر کا وزن اسے قبول نہیں کرتا۔ ممکن ہے غالب نے

یہاں "سبحہ کی تحقیق" لکھنا چاہا ہو اور "کی" سہواً حذف ہو گیا ہو۔ اس سے شعر کا وزن بھی برقرار رہتا ہے اور معنی بھی صاف ہو جاتے ہیں۔ خود نوشت دیوان میں "سبحہ تحقیق" لکھا ہے سبحہ پر ہمزۂ اضافت نہیں جس سے "کی" کی گنجائش رہتی ہے۔ بہرحال شعر کے معنی یہ ہوئے۔ زاہد کو یہ جاننے کا جنون ہے کہ لوگ سبحہ گردانی کرتے ہیں یا نہیں یعنی رسومِ دین کے پابند ہیں کہ نہیں؟ اس لئے وہ زنجیرِ در کھڑکا کر دریافت کرتا پھرتا ہے۔ کاش وہ زنجیروں میں بندھ کر ہمارے سامنے آئے۔ زنجیر کون سی؟ حلقۂ بیرونِ در کی جسے کھڑکا کر وہ دروازہ کھلواتا ہے اور محتسب کی طرح تحقیق کرتا ہے۔ سبحہ کی رعایت سے صد حلقۂ بیرونِ در کا لفظ لائے ہیں کیونکہ سبحہ میں سو دانے ہوتے ہیں۔

وہ تشنۂ سرشارِ تمنا ہوں کہ جس کو

ہر ذرہ بہ کیفیتِ ساغر نظر آوے

میں تمناؤں سے لبریز اور سرشار ہوں لیکن کوئی تمنا پوری نہیں ہوتی اس لئے بالکل تشنہ ہوں۔ مجھے ہر ذرہ ساغر کی طرح دکھائی دیتا ہے یعنی میں ہر ذرے اور ہر چیز پر للچائی ہوئی نظر ڈالتا ہوں۔

تمثالِ بتاں گر نہ رکھے پنبۂ مرہم

آئینہ بہ عریانیِ زخمِ جگر آوے

اگر بتوں کا عکس مرہم کا پھایا نہ رکھے تو آئینہ زخمِ جگر کی طرح ننگا دکھائی دے یعنی حسینوں کے عکس کے بغیر آئینہ ایک زخم کی طرح رہ جائے گا۔

ہر غنچہ، اسد، بارگہِ شوکتِ گل ہے

دل فرشِ رہِ ناز ہے اپنے دل اگر آوے

بارگہہ: شاہی خیمہ۔ ہر غنچہ بادشاہِ گل کی شوکت کا خیمہ ہے یعنی گل کی خوش آمدید کی منزل ہے۔ اسی کی مماثلت پر میرا دل حضرتِ بے دل کے استقبال کیلئے فرشِ راہ ہے۔ جس پر وہ ناز سے چل کر آئیں۔ دل کی مشابہت غنچے سے ہے اور غنچے کی بارگاہ سے۔

(۲۶۱)

چار سوئے عشق میں صاحب دکانی مفت ہے

نقد ہے داغِ دل اور آتش زبانی مفت ہے

چارسو: وہ بازار جس میں چاروں طرف دُکانیں ہوں۔ عشق کے بازار میں صاحبِ دکان ہونے کے لئے کوئی پیسہ لگانے کی ضرورت نہیں۔ داغِ دل کی نقدی مل جاتی ہے اور محبوب کی آتش زبانی مُفت ہاتھ آتی ہے۔ آتش زبانی: تیز زبانی۔ بظاہر نقد اور مفت کے اجتماع سے یہ گمان ہوتا ہے کہ داغِ دل نقد دے کر ہاتھ آتا ہے لیکن آتش زبانی مفت میں مل جاتی ہے لیکن یہ معنی صحیح نہ ہوں گے۔ اگر داغِ دل کو نقد دے کر خریدا گیا تو صاحبِ دکانی مُفت کہاں ہوئی۔ نقد سے مراد پونجی ہے۔ حسینوں سے نقدِ داغِ دل اور آتشِ زبانی بے قیمت مل جاتے ہیں۔ اُنہیں سے دکان سجا کر بیٹھ جائیے۔

زخمِ دل پر باندھیئے حلوائے مغزِ استخواں
تندرستی فائدہ اور ناتوانی مُفت ہے

دل کے زخم پر اپنی ہڈیوں کے گودے کا حلوا باندھیئے صحت ہوجائے گی اور عاشقوں کی مرغوب خصوصیت ناتوانی مُفت میں ہاتھ آجائے گی۔ ہڈیوں سے مغز نکال لینے کے بعد جو حالت ہوگی ظاہر ہے۔

نقدِ رنجم تابہ کے ازکیسہ بیروں ریختن
یعنی اے پیرِ فلک، شامِ جوانی مفت ہے

ازکیسہ بیروں ریختن: تلف کرنا۔ مفت: رائگاں۔ میں اپنے کیسے سے غم کی پونجی کب تک باہر پھینکتا رہوں اے آسمان میری شامِ جوانی تو رائگاں رہی۔ یعنی روپیہ خرچ کرتا رہا حاصل کچھ نہ ہوا۔ مُراد یہ ہے کہ میں کب تک رنجیدہ رہوں میری جوانی کی شامِ عیش وطرب کی بجائے رنج کی نذر ہوکر برباد ہوگئی۔

گر نہیں پاتا درونِ خانہ، ہر بیگانہ، جا
بردرِ نکشودہ، دل پاسبانی مُفت ہے

آسی نے اس شعر سے مماثل دو فارسی اشعار دئے ہیں جو مفیدِ مطلب ہیں۔

وقتِ عرفی خوش کہ نکشو دند چوں در بر رخش
بردرِ نکشودہ ساکن شد درِ دیگر نہ زد
(عرفی)

غیرِ حق رامی دہی رہ در حریمِ دل چرا
می کنی بیگانہ راعہالت ایں منزل چرا
(صائب)

خانہ سے مراد دل ہے۔ محبوبِ حقیقی کے علاوہ غیر اگر میرے دل میں داخل نہیں ہوسکتا تو دل کے بند دروازے پر پاسبانی کرسکتا ہے۔ اس میں کوئی صرفہ نہیں ہوتا۔ اس کی اجازت ہے کہ اُمید میں در کے باہر کھڑا رہے

چونکہ بالائے ہوس پر ہر قبا کوتاہ ہے
بر ہوس ہائے جہاں دامن فشانی مُفت ہے

بالا: قد۔ دامن فشانی: دامن جھاڑنا، خود کو دور رکھنا۔ چونکہ ہوس کے جسم پر ہر قبا کوتاہ آتی ہے یعنی کتنی بھی خواہشیں پوری کردی جائیں۔ ہوس کا پیٹ ہی نہیں بھرتا اس لئے دُنیا کی چیزوں کی ہوس سے دامن اُٹھا لینے میں کوئی خسارہ نہیں۔ دامن فشانی ناز کرنے کو بھی کہتے ہیں اس صورت میں دوسرے مصرعے کے معنی ہوں گے کہ دُنیا کی ہوسوں پر ناز کرنا بیکار ہے

یک نفس، ہر یک نفس، جاتا ہے قسطِ عمر میں
حیف ہے ان کو جو سمجھیں زندگانی مفت ہے

عمر ایک اُدھار ہے جو قسطوں میں ادا کیا جارہا ہے۔ ہر سانس لیتے وقت ایک سانس قسط کے طور پر واپس کیا جارہا ہے۔ ایک روز یہ قسط پوری ہوجائیں گی۔ ان پر افسوس ہے جو سوچیں کہ زندگی مفت میں حاصل ہوگئی۔

مال وجاہ و دست وپا بے زر خریدہ ہیں اسد
پس بہ دل ہائے دگر راحت رسانی مفت ہے

مال وجاہ اور ہاتھ پاؤں بغیر روپیے کے ہاتھ آگئے ہیں۔ پس اگر ان کی مدد سے دوسرے دلوں کو راحت پہنچائیں تو یہ مُفت کا سودا ہوا۔ اس میں دریغ نہ کرنا چاہیئے۔

(۲۶۲)

بے تابیِ یادِ دوست، ہم رنگِ تسلی ہے
موجِ تپشِ مجنوں، محمل کشِ لیلیٰ ہے

یادِ دوست میں بے تاب ہونا تسلی سے کسی قدر مشابہ ہے کیونکہ اس میں دوست کی یاد شامل ہے۔ مجنوں کی بے قراری لیلیٰ کا محمل کھینچ لے آتی ہے۔ وہ واقعی محمل کو لاسکے کہ نہ لائے تصور میں تو لیلیٰ کو ضرور لے آتی ہے۔ اسی سے کچھ چین مل جاتا ہے۔

کلفت کشیِ ہستی، بدنامِ دو رنگی ہے
یاں تیرگیِ اختر، خالِ رخِ زنگی ہے

دو رنگی: تلوّن، منافقت، ظاہر و باطن میں فرق ہونا۔ مشہور ہے کہ زندگی کے مصائب کبھی شدید ہوتے ہیں کبھی خفیف۔ لیکن میری صورت میں ایسا کچھ نہیں۔ یہاں شروع سے آخر تک ایک ہی حالت رہتی ہے۔ حبشی کے چہرے کا تل نہایت کالا ہوتا ہے۔ میری قسمت میں سیاہی ہی سیاہی ہے۔ میں دو رنگی کا شکار نہیں۔

دیدن ہمہ بالیدن، کردن ہمہ افسردن
خوشتر ز گل و غنچہ، چشم و دلِ ساقی ہے

بہارِ عجم کے مطابق کردن کے بہت سے معنی ہیں جن میں سے ایک گرفتن بھی ہے۔ یعنی پکڑنا، برتنا۔ پہلا مصرع گل و غنچہ کے بارے میں ہے۔ کہ دیکھنے میں یہ بالیدگی اور شادابی سے بھرے ہیں لیکن انھیں پکڑا جائے تو بالکل مرجھا جاتے ہیں۔ ان گل و غنچہ سے ساقی کی آنکھ اور دل بہتر ہیں کہ وہ دیکھنے میں بھی بالیدہ ہیں اور ان پر ہاتھ رکھا جائے تو بھی شگفتہ رہیں گے۔ آنکھ کی مشابہت غنچہ سے اور دل کی پھول سے ہے۔

وہمِ طربِ ہستی، ایجادِ سیہ مستی
تسکیں دہِ صد محفل، یک ساغرِ خالی ہے

دنیا میں خوشی کا وہم شدید غفلت کا زائیدہ ہے۔ ہستی خوشی کا ساغر نہیں خالی ساغر ہے لیکن دنیا کی سینکڑوں محفلیں غلط فہمی کی وجہ سے اسی سے محظوظ ہیں۔

زندانِ تحمّل میں مہمانِ تغافل ہیں
بے فائدہ یاروں کو فرقِ غم و شادی ہے

ہم پر جو کچھ گزرتا ہے خاموشی سے برداشت کرتے ہیں۔ خالق نے ہماری طرف سے تغافل اختیار کیا ہوا ہے گویا ہم تحمّل کرنے کے زنداں میں ہیں۔ ایسی حالت میں کیا غم اور کیا خوشی۔ لوگوں نے بے کار فرق کر رکھا ہے۔

ہووے نہ غبارِ دل تسلیم زمیں گیراں
مغرور نہ ہو، ناداں، سر تا سرِ گیتی ہے

زمیں گیر: وہ چیز جو زمیں سے ہٹ نہ سکے جیسے سیلِ زمیں گیر، داغِ زمیں گیر۔ یہاں متوکل خاک

نشینوں کی ذات مراد ہے۔ سر تا سرِ گیتی: پوری دنیا۔

اے ناداں! تیرے دل میں توکل کر کے ایک قطعۂ خاک پر بیٹھ رہنے والوں کی طرف سے غبار ہے۔ تو انھیں حقیر سمجھ کر ان کی طرف سے کدورت رکھتا ہے لیکن تیرا غبارِ دل انھیں قبول نہ ہوگا۔ غبار اڑنے والی چیز ہے اور وہ ایک جگہ جمے بیٹھے ہیں اس لئے غبار ان پر نہ ٹھہرے گا۔ تو غرور نہ کر۔ دنیا میں ایک تو ہی نہیں۔ اس سرے سے اس سرے تک پوری دنیا موجود ہے

اگر غبارِ دل مخاطب مغرور کے دل سے متعلق نہیں بلکہ خود زمیں گیروں کے دل کا غبار ہے تو شعر کے معنی یہ ہوں گے، زمیں گیر حضرات اپنے دلوں میں غبار قبول نہیں کرتے۔ یعنی ان کے دل رنج و شکوہ کی گرد سے پاک رہتے ہیں۔ تو انھیں حقیر سمجھ کر خود پر غرور نہ کر کیونکہ پوری دنیا بھری پڑی ہے۔

رکھ فکرِ سخن میں تو معذور مجھے غالب
یاں زورقِ خود داری، طوفانیِ معنی ہے

زورق: چھوٹی کشتی۔ طوفانیِ معنی: شکارِ طوفانِ معنی۔ تو مجھے فکرِ شعر سے معذور رکھ کیونکہ میری خودداری کی کشتی معنی کے طوفان سے ڈانواڈول ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شعر کہنے سے پیٹ تو بھرتا نہیں۔ اس کا نتیجہ ہے معاشی پریشانی جس سے خودداری خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ دوسرے مصرع کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ 'خودداری کی کشتی معنی پر طوفان لے آئی ہے'، کیونکہ کشتی طوفان نہیں لا سکتی۔

(۲۶۴) اگر گل حسن و الفت کی بہم جوشیدنی جانے
پرِ بلبل کے افسردن کو دامن چیدنی جانے

دامن چیدنی: دامن اٹھانا۔ رخصت ہو جانا۔ اگر پھول کو حسن و عشق کی باہمی گرم جوشی میں عقیدہ ہو تو وہ بلبل کے پروں کو پھیکا ہوتا دیکھے یعنی بلبل کو نحیف ہوتے یا جان سے جاتے دیکھے تو اس کی ہمدردی میں وہ بھی دنیا سے رخصت ہو جائے۔

فسونِ حسن سے ہے شوخیِ گلگونہ آرائی
بہار اس کی کفِ مشّاطہ میں بالیدنی جانے

گلگونہ: غازہ، ابٹن۔ گلگونہ میں خود کوئی حسن نہیں ہوتا وہ تو حسن کے اثر سے خوشنما ہو جاتا ہے۔ جب آرائش کرنے والے ہاتھ میں آتا ہے تب اس کی بہار بالیدہ ہونے لگتی ہے جب

حسن کے چہرے پر لگ جاتا ہے تو اس میں شوخی آجاتی ہے۔

نوائے بلبل و گل، پاسبانِ بے دماغی ہے
بہ یک مژگانِ خوباں، صد چمن خوابیدنی جانے

بے دماغی : بے زاری، چڑچڑاپن۔ بلبل اور گل کی باہم بات چیت بے زاری کی فضا کو دور رکھتی ہے یعنی عاشق اور محبوب کا ساتھ رہنا ماحول کو خوش گوار بناتا ہے۔ حسینوں کی ایک پلک میں سو باغوں کو سویا ہوا سمجھو یعنی حسینوں کی آنکھ ہزار رونق پیدا کرنے کی موجب ہے دوسرے مصرع کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حسینوں کی پلک کا ایک بار سونا سو باغوں کا سونا یا غائب ہو جانا ہے کیونکہ حسین بیدار ہیں تو عاشق ان سے بات چیت کر کے اپنی بے دماغی دور کرتے ہیں۔ وہ سو گئے تو اتنی دیر کو معاملاتِ حسن و عشق سرد پڑ گئے۔

نہ ہے شب زندہ دارِ انتظارستاں کو وحشت سے
مژہ پیچک میں مہ کی سوزن آسا چیدنی جانے

شب زندہ دار : رات کو بیدار رہنے والا۔ پیچک : دھاگے کی گولی۔ کتنے اچھے ہیں وہ لوگ جو انتظارِ یار میں رات بھر جاگتے رہتے ہیں اور وحشتِ عشق سے پلک کو چاند میں اس طرح چبھا دیتے ہیں۔ جیسے پیچک میں سوئی کو لگا دیا ہو۔ یعنی رات کو جاگ کر چاند کو گھورتے رہتے ہیں۔

خوشا مستی کہ جوشِ حیرتِ اندازِ قاتل سے
نگہ، شمشیر میں، چوں جوہر آرامیدنی جانے

شمشیر میں جوہر آرام کرتے رہتے ہیں۔ بعض بسمل بھی ایسے ہوتے ہیں جن کو شہادت اور شمشیرِ شہادت پسند ہوتی ہیں۔ ان کی نظروں کو تلوار کی دید سے آرام ملتا ہے۔ نگاہیں شمشیر میں جوہر کی طرح رہ جاتی ہیں۔ ایسی مستی کتنی اچھی ہے کہ جس میں بسمل، قاتل کے انداز کو دیکھ کر حیرت سے محو ہو جائے۔

جفا شوخ و ہوس گستاخِ مطلب ہے، اگر عاشق
نفس، در قالبِ خشتِ لحد، دزدیدنی جانے

جفا شوخ : وہ شخص جو شوخی سے جفا طلبی کرے۔ ہوس گستاخ : گستاخ ہوس یعنی ہوس کی وجہ سے گستاخی پر مائل۔ ہوس گستاخِ مطلب : اپنے مطلب کو پورا کرنے کی ہوس

میں گستاخ یعنی اپنا مطلب اور ہوس پورا کرنے کا شوقین۔ نفس دزدیدن : سانس بند کرنا۔ سانس اپنے قالب میں بند کیا جاتا ہے لیکن شاعر نے قبر کی اینٹ کے قالب میں بند کرنے کی تاکید کی ہے۔ اس جگہ قالب دو معنی میں ہے۔ شاعر کے تعلق سے جسم کے معنی میں اور اینٹ کے تعلق سے سانچے کے معنی میں قالبِ خشتِ لحد سے خود لحد مراد ہے۔ مطلب ہوا یہ مانا کہ عاشق جفا کی خواہش کرتا ہے اور اپنا مطلب پورا کرنے پر جی رکھے رہتا ہے لیکن اسے قبر میں جا کر سانس بند کر لینے کو بھی تیار رہنا چاہیئے یعنی فنا پر آمادہ رہنا چاہیئے۔

نوائے طائرانِ آشیاں گم کردہ آتی ہے
تماشا ہے کہ رنگِ رفتہ برگر دیدنی جانے

غالب رنگِ رفتہ کو طائر سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ اس شعر میں کہتے ہیں کہ جو پرندے آشیاں سے اُڑ گئے تھے ان کی آواز آرہی ہے۔ غالباً وہ واپس آرہے ہیں۔ عجیب تماشا ہے کہ اُڑا ہوا رنگ واپس آئے۔ پرندوں کو رنگِ پریدہ سے تشبیہ دی ہے۔

نسخۂ عرشی میں دوسرے مصرع میں "تماشائے" دیا ہے جب کہ نسخۂ شیرانی میں "تماشا ہے" درج ہے۔ آسی نے "تماشائے" لکھ کر بڑے لطیف معنی نکالے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ پرندے آشیاں سے اُڑ جاتے ہیں تو کم از کم دُور سے ان کی آواز تو سنائی دیتی رہتی ہے۔ میرے رنگِ رفتہ کا پتہ ہی نہیں۔ تماشائے یعنی ایک تماشا۔ تماشا بمعنی جلوۂ محبوب۔ اے دوست تو اپنا ایک ہی جلوہ دکھا دے تاکہ میرا رنگِ رفتہ واپس آنے پر مائل ہو۔

"تماشا ہے" کا متن بعد کا ہے اس لئے مرجح ہے۔ اس سے صرف وہی معنی نکلتے ہیں جو میں نے دئے ہیں۔

اسد جاں نذرِ الطافے کہ ہنگامِ ہم آغوشی
زبانِ ہر سرِ مو، حالِ دل پرسیدنی جانے

میری جان، محبوب کی اس مہربانی کی نذر ہو کہ ہم آغوشی کے وقت اس کے ہر بال اور روئیں کی زبان میرا حالِ دل پوچھتی دکھائی دیتی ہے۔ یعنی اس کا دل میرے دل سے مل جاتا ہے۔

(۲۶۴)

سوختگاں کی خاک میں ریزشِ نقشِ داغ ہے
آئینۂ نشانِ حال، مثلِ گلِ چراغ ہے

ریزش : چھڑکنا، بکھرنا۔ حال : حالت، "زمانۂ موجودہ" مراد نہیں۔ عشق میں جلے ہوؤں کی خاک میں ان کے داغ کے ذرّے بھی بکھر کر ملے ہوئے ہیں۔ جس طرح گل چراغ کا پتہ دیتا ہے کہ چراغ جلتا رہا تھا اسی طرح داغ کے ٹکڑے ان کی حالت کی نشان دہی کرتے ہیں کہ وہ جل جل کر داغ کھایا کئے۔

لطفِ خمارِ مے کو ہے در دلِ ہم دگر اثر
پنبۂ شیشۂ شراب، کف بہ لبِ ایاغ ہے

خمار : نشے کے اُتار کی حالت نیز نشے کا بقیہ۔ موخرالذکر معنی میں نشہ ہی کا مفہوم دیتا ہے اور اس شعر میں یہی معنی مراد معلوم ہوتے ہیں۔ شعر کے معنی ہوئے۔ دو شخص اگر مل بیٹھ کر شراب پئیں تو نشے کا اثر دونوں کے دل میں ہوتا ہے اور ایک دوسرے کیلئے مفاہمت پیدا ہوتی ہے۔ صراحی کے مُنہ پر جو روئی لگی رہتی ہے وہ لبِ پیالے کی سطح پر آیا ہوا جھاگ ہے کس طرح ؟ پنبہ ہٹا کر پیالے میں شراب اُلٹی جائے گی، پیالہ لبریز ہوگا اور اس پر سفید جھاگ آئیں گے۔ شاید روئی کے کچھ ریشے بھی شراب کے ساتھ چلے آئے ہوں اس طرح براہِ راست یا بالواسطہ شراب کی روئی پیالے کے جھاگ کا باعث بنی جس طرح بوتل اور پیالے میں ہم آہنگی ہے اسی طرح دو شراب پینے والوں کے دلوں میں ہوتی ہے۔

اگر خمار کے معنی فقدانِ نشہ لئے جائیں تو پورا پہلا مصرع خصوصاً لفظ لطف اپنے معنی کھو دیتا ہے۔ اس صورت میں شعر کے معنی یوں ہوں گے۔

شراب موجود نہ ہو تو دلوں کی تشنگی اور محرومی کی کیفیت مشترک اور ہم آہنگ ہوتی ہے۔ بوتل کے مُنہ پر روئی لگی ہو یعنی اس میں سے شراب نہ نکالی جائے تو ہمدردی میں یہ روئی لبِ ساغر کا جھاگ بن جاتی ہے۔ پیالے میں پہلے کسی نے شراب پی ہوگی اس کا بقیہ جھاگ پیالے کے کنارے پر لگا رہ گیا۔ یہ جھاگ پیالے کے خالی ہونے کی علامت ہے۔ پنبۂ مینا جو اس کفِ لب کی ذمہ دار ہے گویا خود لبِ ایاغ پر آگئی ہے اور یہ دلوں کے قرب یا ہمدردی کی وجہ سے ہے پہلے معنی بہتر ہیں۔

مُفتِ صفائے طبع ہے، جلوۂ نازِ سوختن
داغِ دلِ سیہ دلاں، مردمِ چشمِ زاغ ہے

سیہ دل : گناہ گار، ظالم چشمِ زاغ : بے حیا شخص۔ م پر اضافت نہیں ہونی چاہیئے۔

نسخۂ عرشی میں اضافت دی ہے جو غالباً صحیح نہیں۔ اپنے دل کی صفائی کی جائے تو سوختن کا جلوۂ ناز مُفت میں دیکھنے کو ملے گا۔ یہ کس طرح ؟ ظاہر ہے طبع کی پاکیزگی کے لئے خود کو جلانا ہوگا عشق کی آگ میں خود کو جلا کر ہی صفائی نصیب ہو سکتی ہے۔ حسرت موہانی کا شعر ہے۔

محبت نے کی دل میں وہ آگ روشن
کہ ہم ہو گئے جس سے خاکی سے نوری

تو صفائیِ طبع نے آگ لگنے کا تماشا دکھایا۔ اس کے برعکس سیاہ دل لوگوں کے دل کا داغ بے حیا آنکھ کی پتلی ہوتا ہے۔ پتلی کالی ہوتی ہے اور کوّے جیسی آنکھ والے کی پتلی اور بھی کالی ہوگی داغ کالا ہوتا ہے اور سیاہ دل کا داغ اور بھی کالا ہوگا۔ تشبیہہ مکمّل ہو گئی۔ دونوں مصرعوں میں دو متضاد شخصوں کا ذکر ہے۔

رنجشِ یارِ مہرباں، عیش و طرب کا ہے نشاں
دل سے اُٹھے ہے جو غبار، گردِ سوادِ باغ ہے

مہربان دوست اگر آزردہ ہو جائے تو یہ عیش و خوشی کا پیش خیمہ ہے کیونکہ وہ جلد ہی من جائے گا اور اس کے بعد محبت کی پینگیں کچھ اور بڑھیں گی۔ بمصداق ؎

بڑا مزا اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

دل سے جو غبارِ شکوہ اُٹھتا ہے وہ نواحِ باغ کی طرح ہے جو قربِ باغ کا پتہ دیتا ہے۔ گرد کے بعد باغ اور خفگی کے بعد ملاپ کی توقع کی جا سکتی ہے۔

شعر کی فکر کو، اسدؔ، چاہیے ہے دل و دماغ
وائے کہ یہ فسردہ دل، بے دل و بے دماغ ہے

بے دل : اُداس بے دماغ : آزردہ و زود رنج۔ شعر کی فکر کیلئے دل اور دماغ چاہیئے۔ اور میں افسردہ دل، بے دل و بے دماغ ہوں کیونکر شعر کہوں۔ لفظ بے دل اور بے دماغ کی ہیئتِ ظاہری سے مضحکہ پیدا کیا ہے ویسے معنوی اعتبار سے بھی یہ الفاظ برمحل ہیں یعنی سُست ہوں شعر کہنے کا دماغ نہیں۔

(۲۶۵)

اے بے خبراں میرے لبِ زخمِ جگر پر
بخیہ جسے کہتے ہو شکایت ہے رفو کی

اے بے خبرو میرے زخمِ جگر پر ٹانکے لگتے ہیں۔ تم الزام دیتے ہو کہ میں نے زخم کو سلوا کر کم ہمتی کا ثبوت دیا۔ دراصل یہ بخیہ نہیں ہونٹوں پر بخیہ کی شکایت ہے جو سفید ٹانکوں کی شکل میں دکھائی دے رہی ہے۔

گو زندگیِ زاہدِ بے چارہ عبث ہے
اتنا ہے کہ رہتی تو ہے تدبیر وضو کی

وضو کی ضرورت ناپاک ہو جانے کے بعد ہوتی ہے جو جنسی فعل یا میخواری وغیرہ کے بعد ہو سکتی ہے۔ غالب شوخی سے کہتے ہیں۔ گو بے چارے زاہد کی زندگی بے کار ہے لیکن اتنا تو ہے کہ وہ چپکے سے کوئی ایسا کام کرتا ہے جس سے بے وضو ہو جاتا ہے اور از سرِ نو وضو کی تدبیر کرتا ہے۔

اس کے آگے وہ اشعار درج کئے جاتے ہیں جو گنجینۂ معنی کے حواشی بہ عنوانِ شرحِ غالب میں دیئے ہیں۔

طرزِ بیدل میں ریختہ لکھنا
اسد اللہ خاں، قیامت ہے

اسد اللہ خاں بیدل کے انداز میں اردو میں شاعری کرنا اہلِ اردو کیلئے قیامت ہے۔ بیدل بہت دقیق معنی بندی اور نازک خیالی کرتا تھا۔

زندگی میں بھی رہا ذوقِ فنا کا مارا
نشہ بخشا غضب اس ساغرِ خالی نے مجھے

زندگی بھر میں لذتِ فنا پر دلدادہ رہا۔ ذوقِ فنا خالی ساغر کی طرح ہے لیکن اس خالی جام نے مجھے عمر بھر نشے میں رکھا۔

بسکہ تھی فصلِ خزانِ چمنستانِ سخن
رنگِ شہرت نہ دیا تازہ خیالی نے مجھے

شاعری کے باغ پر خزاں آئی ہوئی تھی یعنی لوگوں میں مذاقِ شاعری کم ہو گیا تھا۔ میں نے نئے نئے خیالات پیدا کئے لیکن کسی نے توجہ نہ کی اور مجھے شہرت نہ ملی۔

جلوۂ خور سے فنا ہوتی ہے شبنم غالب
کھو دیا سطوتِ اسمائے جلالی نے مجھے

سطوت: رعب داب، قہر۔ اسمائے جلالی: خدا کے جلالی نام مراد ہیں مثلاً جبار، قہار۔

سورج کے جلوے سے شبنم فنا ہو جاتی ہے۔ مجھے خدا کے جلوے کی بھی ضرورت نہ پڑی صرف اس کے قہار ناموں کے رعب نے مجھے فنا کر دیا۔

دل تو ہو، اچھا نہیں ہے گر دماغ
کچھ تو اسبابِ تمنا چاہیئے

دماغ ہونا: کسی چیز کی طرف توجہ کی توفیق ہونا، خواہش ہونا۔ اچھا اگر بے زاری کے سبب کچھ کرنے کا دماغ نہیں تو کم از کم اس کیلئے دل یعنی جذبہ تو ہونا چاہیئے۔ تبھی تمنا کا سامان ہو سکتا ہے۔ ورنہ بے زاری بھی ہو اور افسردگی بھی تو کیا تمنا کی جا سکتی ہے۔

یہ کون کہوے ہے آباد کر ہمیں! لیکن
کبھی زمانہ مرادِ دلِ خراب تو دے

ہم یہ کب مطالبہ کرتے ہیں کہ زمانہ ہمیں پوری طرح آباد کرے۔ لیکن کبھی ایک آدھ بار تو تباہ حال دل کی مراد پوری کر دے۔

ہو کر شہیدِ عشق میں پائے ہزار جسم
ہر موجِ گردِ راہ، مرے سر کو دوش ہے

عشق میں شہید ہوئے۔ سر خاک پر لوٹا کیا۔ شاعر ظاہر کرتا ہے کہ یہ بڑی خوشگوار صورتِ حال ہے۔ گردِ راہ کی موجیں دھڑ کی طرح ہیں جو میرے سر کی جسم بن جاتی ہیں۔ اس طرح ایک بار مر کر میرے سر کو ہزار بار جسم ملے۔ حالانکہ درحقیقت یہ قابلِ رحم صورتِ حال ہے کہ سر راستے کی دھول پر پڑا لڑھکتا ہے۔

انجامِ شمارِ غم نہ پوچھو
یہ مصرفِ "تابکے؟" نہیں ہے

تابکے؟ کب تک۔ مصرف: استعمال کا مقام۔ میرے غم کے شمار کا اختتام نہ ڈھونڈھو اگر تم کہو کہ کب تک غموں کا سلسلہ چلتا رہے گا؟ تو یہ سوال بے کار ہے۔ میرے معاملہ میں اس سوال کا موقع ہی نہیں کیونکہ کبھی خاتمہ ہو گا ہی نہیں۔

جس دل میں کہ "تابکے؟" سما جائے
واں عزتِ تختِ کے نہیں ہے

تابکے: کب تک، واضح نہیں کہ شاعر کے ذہن میں اس کا کیا مفہوم ہے۔ دوسرے مصرع میں کے سے مراد ایران کے کیانی بادشاہ ہیں۔ غالباً شعر کا مفہوم یہ ہے زندگی میں خواہشیں

کی جائیں تو ایک کے بعد دوسری خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ سمجھ دار اور متوکل دل یہی کہے گا کہ تابہ کے ان خواہشوں کو پورا کیا جائے۔ بہتر ہے کہ انھیں ترک ہی کر دیا جائے۔ جس دل میں یہ "تابہ کے" آ جائے (یعنی کب تک خواہشوں کی غلامی کریں) اس دل میں بادشاہ کے تخت کی بھی عزت نہیں۔ وہ لالچوں سے بلند ہو جاتا ہے۔

(۲۶۶)

پلیٹھ محراب کی قبلے کی طرف رہتی ہے
محوِ نسبت ہیں تکلف ہمیں منظور نہیں

محرابِ مسجد کا ماتھا نمازیوں کی طرف اور پلیٹھ قبلے کی طرف ہوتی ہے۔ ہم بھی قبلہ اور رسول سے دلی تعلق رکھتے ہیں نماز وغیرہ کے تکلف کی ہمیں ضرورت نہیں۔ اگر محراب قبلے کی طرف سے منہ موڑ سکتی ہے اور موردِ اعتراض نہیں تو ہم بھی اس کی تقلید کیوں نہ کریں محض شوخ خیال ہے۔

(۲۶۷)

ابر روتا ہے کہ بزمِ طرب آمادہ کرو
برق ہنستی ہے کہ فرصت کوئی دم ہے ہم کو

ابر کا برسنا رونے سے مشابہ ہے اور رونے کی وجہ قرار دی ہے کہ وہ مُصر ہے کہ خوشی کی محفل سجاؤ جس طرح بچے کسی خواہش کے پورا کرانے کیلئے روتے ہیں اسی طرح بادل بھی رو کر ضد کر رہا ہے بجلی کا چمکنا ہنسنے سے مشابہ ہے لیکن آنی وفانی ہوتا ہے۔ بجلی چمک کر گویا ابر کی فرمائش پر ہنس رہی ہے کہ زندگی میں فرصت کتنی کم ہے۔ ایک لمحے میں بزم آرائی کیا کی جائے۔

طاقتِ رنجِ سفر بھی نہیں پاتے اتنی — ہجرِ یارانِ وطن کا بھی الم ہے ہم کو
لائی ہے معتمد الدولہ بہادر کی امید — جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

یہ اشعار اسی غزل کے ہیں جس میں یہ شعر ہے۔

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی
ہوسِ سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

لکھنؤ میں بیٹھ کر مندرجہ بالا دو اشعار کہے ہیں۔ ہم خود میں سفر کی تکلیفیں اٹھانے کی طاقت بھی نہیں پاتے۔ وطن کے دوستوں کے بچھڑنے کا بھی غم ہے لیکن معتمد الدولہ آغا میر

کے کرم کی امید لائی ہے۔ ان کے کرم کی کاف کی کشش ہمارے لئے جادۂ راہ بن گئی۔

(۲۶۸)

وہ بات چاہتے ہیں کہ جو بات چاہیئے
صاحب کے ہم نشیں کو کرامات چاہیئے

ہم اس بات کی خواہش کرتے ہیں جس کا ہونا ضروری اور مناسب ہے۔ ہم تمھارے ہم نشیں ہیں کاش ہم میں اتنی کرامات ہوتی کہ جو چاہتے وہ پورا ہو جایا کرتا۔ ظاہر ہے کہ یہ بات "وصل" ہو گی۔ نسخۂ شیرانی میں چاہتے ہیں کی جگہ "چاہتے ہو" ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے۔ آپ اس بات کی خواہش کرتے ہیں جو ہونی چاہیئے۔ ہم آپکے ہم نشیں ہیں۔ کاش ہمارے اندر اتنی کرامات ہوتی کہ آپ کی خواہش پوری کرنے کی دعا کرتے اور پوری ہو جاتی۔